نہرو بال پستکالیہ
ہندوستان کی عظیم کتابیں
نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا

نہرو بال پستکالیہ — 27
ہندوستان کی عظیم کتابیں
مصنف
منوج داس
تصاویر
سوکمار چیٹرجی
مترجم
پریتم لال
نیشنل بک ٹرسٹ ، انڈیا
نئی دلی
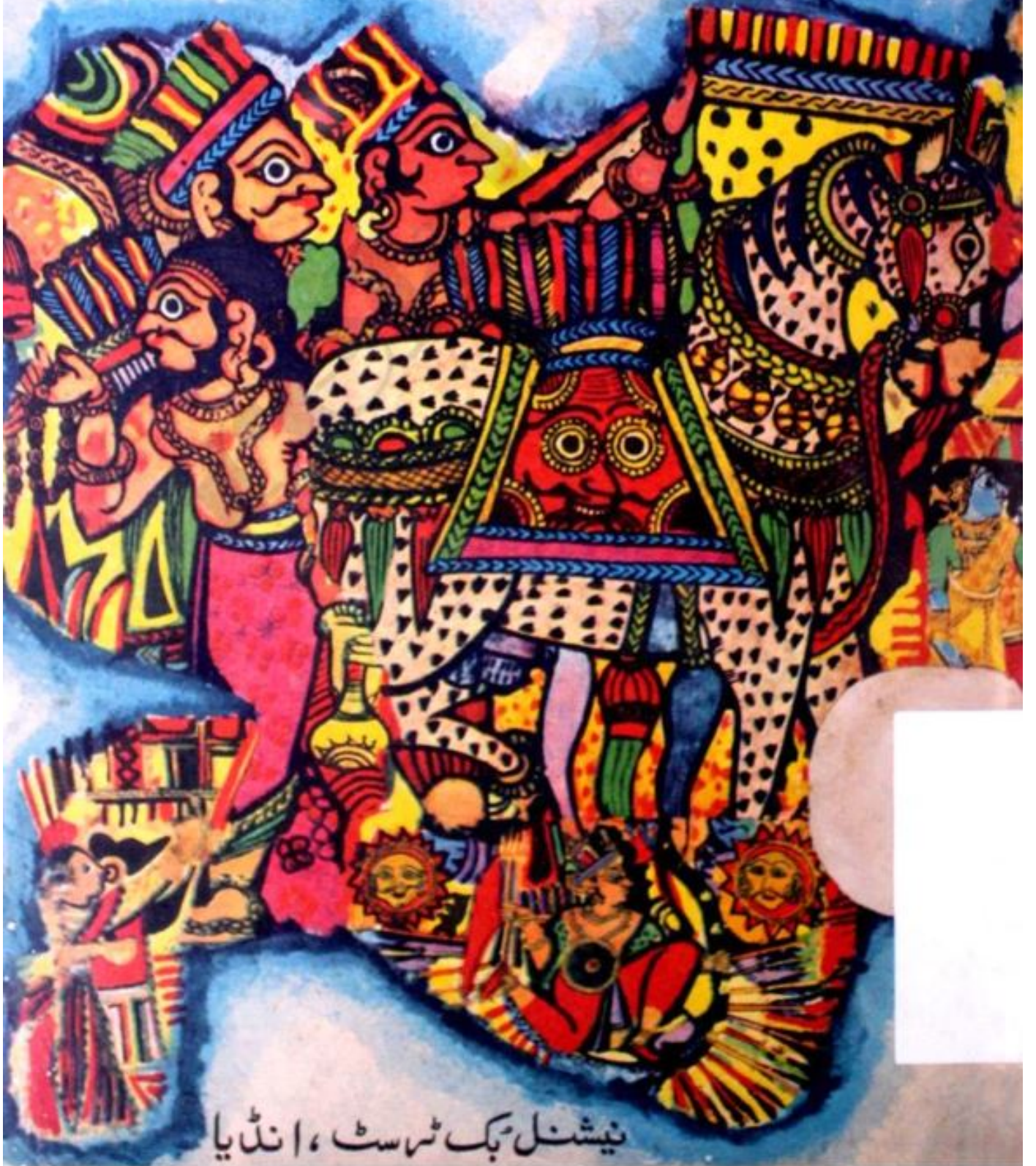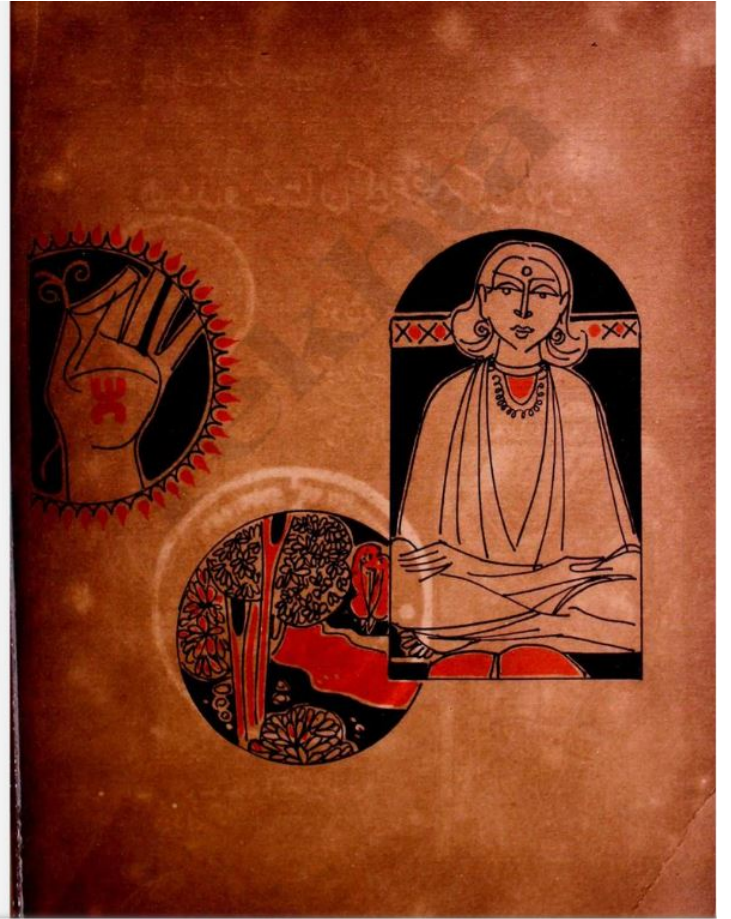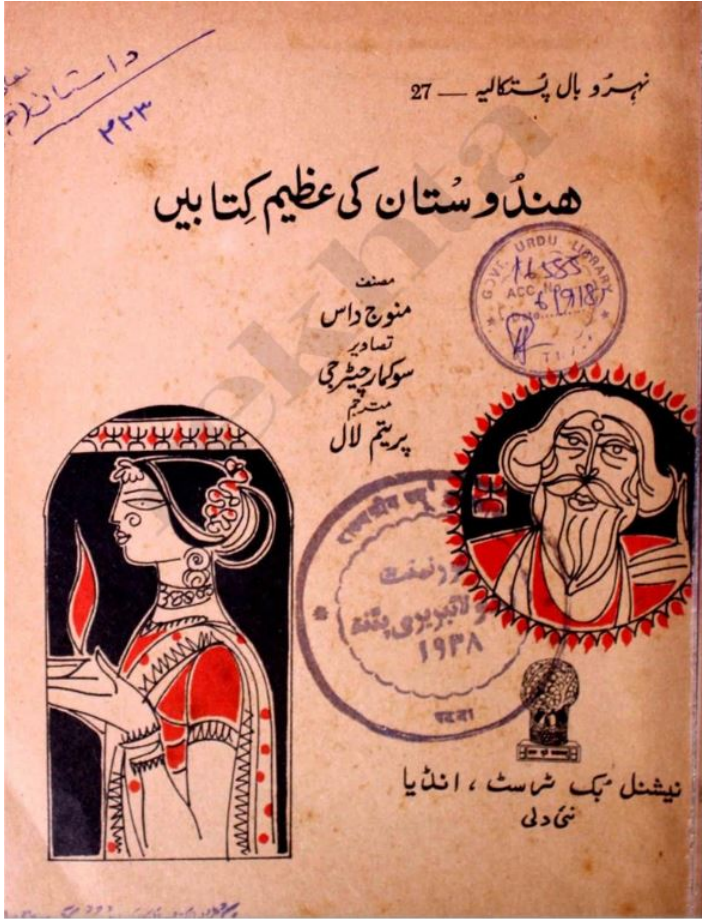
(1898) 1976

قیمت : Rs. 1.50

BOOKS FOREVER (URDU)

تقسیم کار
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دلی ۲۵، دلی ۶، بمبئی ۳، علی گڑھ

ڈائریکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا A-5 گرین پارک، نئی دلی 16 نے
اندرپرستھ پریس (CBT) نہرو ہاؤس، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دلی میں چھپوا کر شائع کیا۔

تقریباً دو ہزار سال پہلے چین میں 'سی واں تی' نام کا ایک شہنشاہ حکومت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنی رعایا سے بہت ناراض ہوا۔ وجہ بہت عجیب و غریب تھی۔ لوگوں کو پڑھنے کا بہت شوق تھا اور جو اَن پڑھ تھے وہ دوسروں سے کتابیں پڑھوا کر سُنا کرتے تھے۔ اب سی واں تی کو اس بات پر یقین نہ رہ سکا کہ جتنی بھی کتابیں ــــ تاریخ، فلسفہ اور حکایات کی جو اب تک لکھی جا چکی تھیں محض اس کے یا اس کے آبا و اجداد کے ہی گُن گاتی تھیں اور کسے معلوم تھا کہ اب بھی ایسے مصنّف موجود تھے جو بذاتِ خود شہنشاہ پر تنقید کرنے کی ہمّت کر چکے تھے۔

سی واں تی نے سوچا کہ لوگوں کو ایسی چیزوں کے بارے میں نہ تو پڑھنا ہی چاہیے اور نہ فکرمند ہونا چاہیے جن کا اُن سے کچھ تعلق نہ ہو۔ ان کا کام محض مشقّت کرنا، وفادار رہنا اور ٹیکس ادا کرنا تھا۔ صرف اسی طرح سے امن و امان برقرار رکھا جا سکتا تھا۔

لہٰذا اُس نے یہ فرمان جاری کر دیا کہ تمام کتابوں کو تباہ کر دیا جائے۔ اُس زمانے میں کتابیں لکڑی کے بڑے بڑے تختے ہوتے تھے جن پر الفاظ کُھدے رہتے تھے۔ اس لیے اُن کا چُھپانا آسان نہ تھا۔ شہنشاہ کے اہل کاروں نے تمام مُلک کو کھنگال ڈالا اور ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں پہنچ کر وہاں ملنے والی اُن تمام کتابوں کی ہولی جلاتے رہے جن تک اُن کی پہنچ ممکن ہو سکی۔ یہ اُس زمانے کی بات

ہے جب چین کی دیوارِ عظیم تعمیر ہو رہی تھی۔ بہت سی کتابیں — جو بڑے بڑے لٹھوں پر نقش تھیں اُنھیں دیوار کی تعمیر میں پتھروں کی جگہ استعمال کیا گیا۔ جن عالموں نے اپنی کتابیں دینے سے انکار کر دیا اُنھیں ان کی کتابوں کے ساتھ دیوارِ عظیم میں چُن دیا گیا!

برسوں گزر گئے۔ شہنشاہ مر گیا لیکن اُس کی موت کے چند سال بعد ہی وہ تمام کتابیں جن کی تباہی کا یقین کیا جا چکا تھا، دوبارہ نئے پالش شدہ لکڑی کے تختوں پر ظاہر ہو گئیں۔ ان میں عظیم فلاسفر کنفیوشس کی تصانیف بھی تھیں جنھیں آج بھی دُنیا بھر میں ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے۔

کتابوں کو نیست و نابود کرنے کی صرف یہی ایک مثال نہیں ہے۔

سترھویں صدی میں جب نالندہ یونیورسٹی اپنے انتہائی عروج پر تھی، مشہور چینی سیاح اور عالِم ہیون سانگ اُس زمانے میں وہاں علم حاصل کر رہا تھا۔ ایک رات اُس نے خواب دیکھا کہ یونیورسٹی کی شاندار عمارتیں غائب ہو گئی ہیں اور مُعلّموں اور

طالب علموں کی بجائے وہاں بھینسیں بھر گئی ہیں۔ یہ خواب تقریباً سچا ہی نکلا کیوں کہ بعد میں یونیورسٹی کی لائبریری کے تین حصّوں کو حملہ آوروں نے جلا کر خاک کر دیا تھا۔

ایک زمانے میں اسکندریہ کے قدیم شہر میں ایک بہت بڑا کُتب خانہ تھا۔ اس میں دُنیا کے بہت سے مُلکوں سے اکٹھے کیے گئے نادر قلمی مسوّدے رکھے ہوئے تھے۔ ہندوستان اور دوسرے مُلکوں سے سینکڑوں علم کے شائقین علم حاصل کرنے اس کُتب خانے میں آتے تھے لیکن اس نادر لائبریری کو بھی سترھویں صدی میں دانستہ جلا کر خاک کر دیا گیا!

جس حملہ آور نے اس لائبریری کو تباہ کیا اُس نے یہ دلیل پیش کی کہ اگر ان بے شمار کتابوں میں وہ باتیں نہیں کہی گئی ہیں جو اُس کی مذہبی کتاب میں بتائی گئی ہیں تو اُن کا وجود میں رہنا ضروری نہیں۔ اگر وہ بتاتی بھی ہیں تب بھی اُن کا موجود رہنا ضروری نہیں!

اور اس طرح کتابوں کو کئی مرتبہ تلف کیا گیا لیکن جن کتابوں کو تلف شدہ تسلیم کرلیا گیا تھا، کچھ عرصے بعد وہ یا تو اپنی پرانی شکل میں یا کسی نئے انداز میں ظاہر ہوگئیں۔ کتابیں آدمی کے شعور، تجربے، علم، احساس اور قیاس کی پیداوار ہوتی ہیں۔ لہٰذا کتابوں کو تلف کرنے سے انسان کی ان خصوصیات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دوسری صدی میں جب ڈنمارک کے ایک پادری بن جوزف اکیبا کو اُس کی ایک علم و دانش سے بھرپور کتاب کے ساتھ جلایا گیا تو اُس کے آخری الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں: "کاغذ جلتا ہے لیکن الفاظ پرواز کرتے ہیں۔"

ایسے لوگ موجود ہیں جو کتابوں کو اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔ وہ ان کتابوں کی حفاظت کے لیے بڑے سے بڑا خطرہ بھی اُٹھانے کو تیار رہتے ہیں۔ ہندوستانی روایات کے مُطابق، ایک مرتبہ جب ساری دُنیا میں سیلاب آگیا اور ہر چیز پانی سے تباہ ہوگئی تب بھگوان نے مچھلی کی شکل اختیار کر کے ویدوں کی حفاظت کی۔ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھگوان کو کتابوں سے کتنا لگاؤ تھا۔ ایسے بھی لوگ موجود ہیں اگر ان کی پسندیدہ کتاب ضائع ہوجائے تو انھیں اُس کا کوئی غم نہیں ہوتا کیوں کہ کتاب کا متن اُن کی یاد داشت میں محفوظ ہوتا ہے۔

پُرانے زمانے میں لوگوں کو کتابیں حفظ کرنے میں عبور حاصل تھا۔ 'ایلیاڈ' اور 'اوڈیسی' ایک یونانی شاعر ہومر کی نو سو سال قبل از مسیح کی دو طویل رزمیہ نظمیں ہیں۔ یہ نظمیں پیشہ ور گویّوں کو نسل در نسل زبانی یاد تھیں۔ یہ رزمیہ نظمیں ۲۸ ہزار سطروں پر

مشتمل تھیں۔ کچھ گویّے ان سے چار گنا زیادہ بڑی نظمیں بھی زبانی یاد رکھ سکتے تھے۔

یہ حافظے کا کمال ہی ہے جس نے ویدوں کی تخلیق کی جو ہندوستان کی ابتدائی کتابیں ہیں بلکہ بہت سے لوگ تو انھیں دُنیا کی ابتدائی کتابیں بتاتے ہیں۔ بہت عرصے تک ویدوں کی نظموں کو قلم بند نہیں کیا گیا تھا بلکہ یادداشت کے سہارے، زبانی ہی باپ اپنے بیٹے کو اور گرو

وید

ویدمُحیّرالعقل چیزوں کو سمجھنے کے لیے انسان کی مکمّل کاوشوں کا مرکّب ہیں — بھگوان، مسرّت، سچ کیا ہے؟ — وید ان سوالات کے جوابوں تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔

بہت عرصے تک وید سروتی کے نام سے مشہور رہے۔ اس لفظ کے عام معنی ہیں کوئی چیز جو سُنی گئی ہو لیکن اس کے خاص معنی سچائی کا اظہار ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ کسی لازوال قوّت (بھگوان) نے رشیوں پر اُن کی تپسیا کی حالت ہیں، ویدوں کا مفہوم ظاہر کیا۔ بہت سے ویدک رشیوں جیسے وششٹ، وشوامتر، اتری، پرسرا، کنوا اور مدھوچھند کا ہماری دیومالا اور قدیم داستانوں میں اکثر ذکر ملتا ہے۔ اس لیے ہم ان ناموں سے مانوس ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے ہندوستانی خاندان اپنا شجرہ ان رشیوں سے مِلاتے ہیں۔ اس لیے ویدوں کے مصنّفوں کے ساتھ ہمارا تعلق بہت گہرا ہے۔

ویدوں کے رشی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ انسان جسم اور ذہن کے علاوہ ایک رُوح جو آتما کہلاتی ہے، رکھتا تھا۔ جس نے آتما کو جان لیا اُس نے حقیقت میں اپنے آپ کو پہچان لیا — آدمی رشی یا گیانی اُس وقت بنا جب اُس نے خود کو ان معنوں میں سمجھ لیا۔ پھر اگر وہ چاہتا تو دوسروں کو اس عِلم کے حاصل کرنے میں مدد دے دیتا تھا۔ رشی عِلم کے خواہاں کچھ طالب علموں کو اپنے ساتھ زمین پر بٹھاکر روزانہ گھنٹوں تعلیم دیا کرتے تھے اور ان ویدک نظموں کو وہ زبانی اپنے شاگرد کو یہ نظمیں منتقل کر دیتا تھا!

ویدوں کو پُرانی سنسکرت میں لکھا گیا تھا۔ حالانکہ ہندوستان میں ہمیشہ سے بہت سی زبانیں بولی جاتی رہی ہیں لیکن پُرانے زمانے میں سنسکرت ہی پورے مُلک کی زبان تھی۔ ہندوستان کے ہر گوشے سے شاعروں اور عالموں نے سنسکرت کے ذریعے ہندوستانی ادب کی ترقّی میں اپنا حصّہ ادا کیا ہے۔

قدیم ہندوستان کا فلسفہ اور سائنس دُور دراز مُلکوں تک پہنچا۔ ان کے ساتھ ہی ہندوستانی کہانیوں کے شاندار خزانے کی بہت سی حکایتیں — کتھاسرت ساگر، پنچ تنتر، اور جاتک کہانیاں سات سمندر اور ہمالیہ پار کے مُلکوں تک پہنچ گئیں۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ انجیل مقدّس کی بہت سی حکایتیں، یُونان کے ایسوپ کی داستانیں، جرمنی کے گِرم بھائیوں کی جمع کردہ لوک کتھائیں اور ڈنمارک کے ہنس اینڈرسن کی بیان کردہ کہانیوں کا اِرتقا ہندوستان میں ہوا تھا۔

ہندوستان کے عہدِ ماضی کا ادب یقیناً بہت شاندار ہے۔ اس کِتاب میں اُس عظیم الشان خزانے کا محض ایک بہت ہی چھوٹا سا حصّہ پیش کیا گیا ہے۔ بڑے ہونے پر تم گیتا، یوگ وشیسٹھ، تری پٹاک، دھمپد، گرنتھ صاحب، جنیشوری جیسی مہان کِتابوں کو دیکھوگے اور ان کا مُطالعہ کروگے۔ بہرحال اب ہم تمھیں کچھ اور اہم کِتابوں کے بارے میں بتائیں گے!

دوھرایا کرتے تھے۔

ویدکسی مذہب یا اصول کی تعلیم نہیں دیتے۔ یہ رشیوں کے اِلہامی تجربات کی یاد داشتیں ہیں لیکن یہ تجربات ایسے بیان نہیں کیے جاتے جیسے ہم اپنے کسی غیرمُلکی سفر کے یا اپنی کسی پہاڑی مہم کے تجربات بیان کرتے ہیں۔ رشیوں نے اپنی تپسیا کے دوران جو کچھ بھی حاصل کیا وہ عام زبان میں بیان نہیں کیا جاسکتا تھا، اس لیے انھوں نے 'علامتی زبان' استعمال کی۔ ویدوں میں جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اُن کا عام معنوں سے زیادہ گہرا مطلب ہوتا ہے۔ دو مثالیں پیش ہیں : 'اوشا' کے عام معنی روشنی کے ہیں لیکن ویدوں میں اس کا مطلب اُس دیوی

سے ہے جو انسان کے تاریک ذہن میں رُوحانی روشنی پیدا کرتی ہے۔ دوسری مثال 'اگنی' کی ہے جس کے معنی آگ کے ہیں۔ ویدک معنوں میں اس کا مطلب صرف وہ آگ ہی نہیں جو تباہی پھیلاتی ہے اور پاک بناتی ہے بلکہ وہ قوّت ہے جو سچائی کا رُجحان پیدا کرتی ہے۔

عظیم وجدانی شاعر ویاس نے ویدوں کو چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے : رِگ، یجُر، سام اور اتھر۔ یہ مختلف دیوتاؤں کے لیے تعریفی اشلوکوں اور

نثر میں قُربانیوں کے مختلف رسم و رواج، وغیرہ پر مشتمل ہیں اور اس بات کا واضح انکشاف کرتے ہیں کہ یہ نہایت گہرے غور و فکر کی پیداوار ہیں۔

وید کب لکھے گئے ؟ اس سوال کے لیے کئی جواب دیے جاتے ہیں۔ یہ بتانا مُشکل ہے کہ ان میں سے کون سا جواب ٹھیک ہے۔ بہت سے عالموں کا خیال ہے کہ وید ۲۵۰۰ سال قبلِ مسیح میں لکھے گئے تھے۔ بہت سے دوسرے

مُفکّر جیسے بون (جرمنی) کے رہنے والے ایچ۔ جیکوبی اور لوکمانیہ تلک کے مطابق یہ چھ ہزار سال قبل لکھے گئے تھے۔ تلک نے ویدوں میں سیّاروں کی جو حالت بیان کی ہے، اُس کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے لیکن علمِ نجوم کی ماہر ما دام بلاوتسکی کا کہنا ہے کہ ویدوں میں سیّاروں کی جو حالت بیان کی گئی ہے، وہ ہر چھ ہزار سال بعد دوہرائی جاتی ہے۔ اس لیے ہم اس بات پر کیسے یقین کریں کہ وید ساٹھ ہزار سال پہلے نہیں لکھے گئے تھے۔ اُس کا ذاتی خیال یہ تھا کہ وید بہت ہی قدیم عہدِ ماضی کی پیداوار ہیں۔

ہندوستانی روایات کے مطابق سائنس کے پیش کردہ نظریے سے کہیں زیادہ قدیم مخلوق انسان ہے۔ پورانوں میں بتایا گیا ہے کہ دُنیا میں ایک مرتبہ بہت زبردست سیلاب آیا تھا جس میں تمام جاندار مخلوق اور دوسری چیزیں غرق ہوگئی تھیں۔ تاہم وشنو نے پانی میں جاکر ویدوں کو کسی نہ کسی طرح بچالیا۔

کیا یہ کہاوت اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وید اس تہذیب کی

دستاویز ہیں جو بہت پہلے تاریکِ ماضی میں وجود میں آئی تھی؟

ایک لمبے عرصے تک، اس سے پہلے کہ وہ لکھے جاتے، ویدوں کو نسل درنسل زبانی منتقل کیا جاتا رہا۔ جس زبان میں انھیں تصنیف کیا گیا ہے وہ بہت ہی مکمل ہے، محض چند الفاظ بھی بیان کی بہت بڑی طاقت رکھتے ہیں۔ پختگی کی اس حالت کو حاصل کرنے کے لیے، زبان ایک طویل زمانے تک استعمال میں لائی جاتی رہی ہوگی۔ صرف ایک عظیم تہذیب ہی ایسی زبان پیدا کرسکی ہوگی۔

ہمیں اُمّید ہے کہ ایک دِن ہم اس تہذیب کے بارے اور جانکاری حاصل کرلیں گے جس نے ویدوں کو جنم دیا تھا اور ان کے اشلوکوں کو بھی صحیح معنوں میں سمجھنے لگیں گے۔ ویدوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُن کا مطلب صرف وہی آدمی سمجھ سکتا ہے جو اپنے اندر بصیرت پیدا کرلے!

اُپنیشید

ایک مرتبہ بہت زمانے پہلے، ایک مشہور رشی وَجُس راوَس نے ایک غیر معمولی دستور پر عمل کیا۔ اس دستور کے مطابق، اُس پر عمل کرنے والا اس بات پر مجبور تھا کہ وہ اپنی ساری دولت اور جائداد پُجاریوں، غریبوں اور ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کردے۔
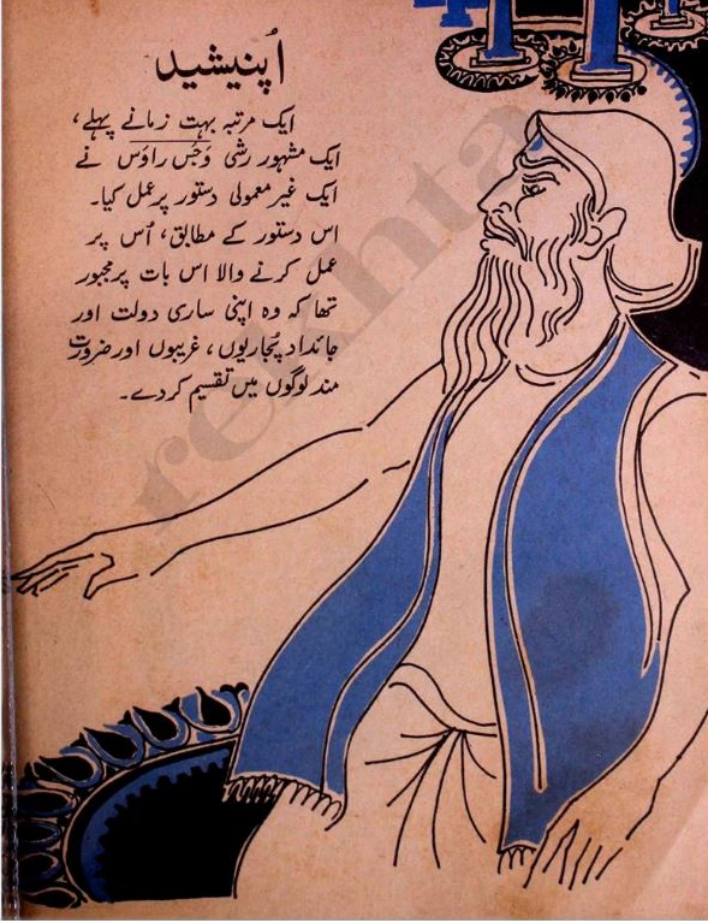
رشی کا ایک بیٹا تھا جس کا نام نچیکیتا تھا۔ نچیکیتا نے سوچا کہ اُس کا باپ تمام چیزیں خیرات کر رہا ہے اور اُس نے اُسے بھی کسی کو دے دیا ہوگا۔

اُس وقت جب رشی اپنی دولت اور جائداد اپنے مہمانوں میں تقسیم کرنے میں مصروف تھا، نچیکیتا نے اس کے پاس آکر دریافت کیا "پتاجی! مجھ کو آپ نے کِسے سونپا ہے؟" —— رشی نے کوئی جواب نہیں دیا،

لیکن نچیکیتا اپنے سوال کو دوھراتا گیا، یہاں تک کہ اُس کا باپ پریشان ہوگیا۔ رشی نے اچانک غُصّے سے چلّاتے ہوئے کہا" میں نے تمھیں یم دوت کو دیا ہے۔"

یم دوت موت کا خوف ناک فرشتہ ہے۔ رشی کے الفاظ نے ان سب کو ضرور حیرت میں ڈال دیا ہوگا جو وہاں موجود تھے۔ رشی کو بھی اپنے الفاظ پر بہت صدمہ ہوا۔ نچیکیتا بغیر کسی خوف کے وہاں اکیلا کھڑا رہا۔ اُس نے سوچا: 'میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کے لیے میرا باپ میرے لیے موت کی خواہش کرے۔ شاید یہ تقدیر کا لکھا ہے کہ میں یم دوت سے مُلاقات کروں'۔

نچیکیتا یم دوت کی عمل داری میں جانے کے لیے تیّار ہوگیا۔ رشی اور دوسرے لوگوں نے اُس کا ارادہ بدلنے کی بہت کوشش کی لیکن لڑکا اپنے ارادے پر اٹل رہا" میں ضرور جاؤں گا اور یم دوت سے مُلاقات کروں گا۔" وہ اتنا کہہ کر روانہ ہوگیا۔

جب نچیکیتا اپنی منزل پر پہنچا تو یم دوت وہاں موجود نہیں تھا۔ اُسے یم دوت کے انتظار میں تین دِن اور تین راتیں بغیر کچھ کھائے پیے گزارنی پڑیں۔ یم دوت جب واپس آیا تو اُسے لڑکے کی ہمت اور استقلال دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اُس نے کہا" تمھاری ان تین دِنوں کی تکلیف کے بدلے میں تم پر تین عنایتیں کروں گا۔ بتاؤ تم کیا پسند کروگے؟"
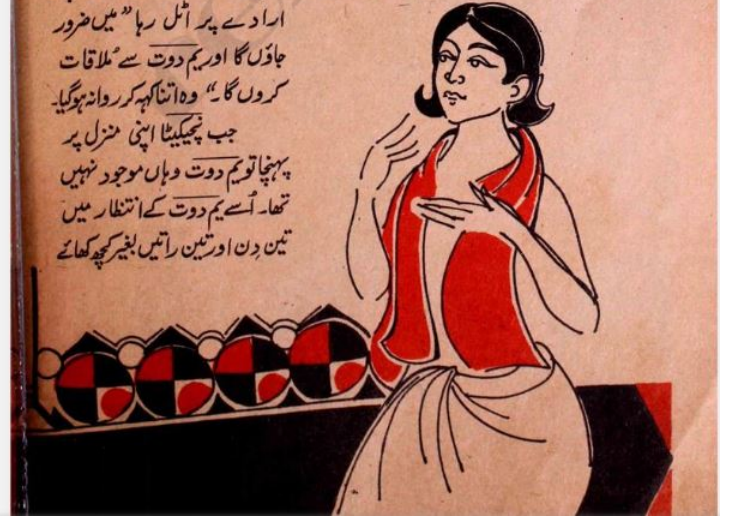
نچیکیتا نے کہا" جب سے میں نے گھر چھوڑا ہے میرے پِتا بہت پریشان اور فکرمند ہوں گے۔ اے موت کے فرِشتے! مجھ پر یہ عنایت کر کہ انھیں من کی شانتی واپس مِل جائے۔"

یم دوت نے کہا" ایسا ہوگیا ہے۔"
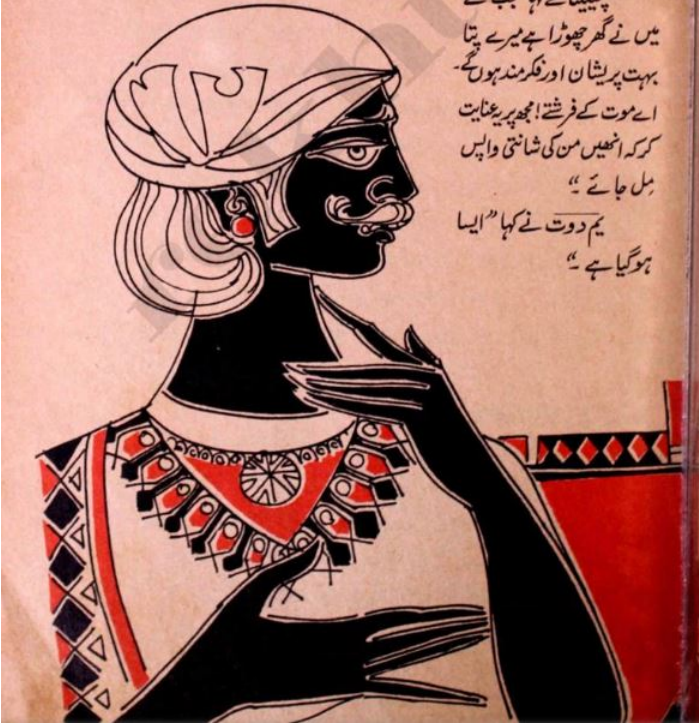
”دوسرے میں سوَرگ جانے کا راز جاننا چاہتا ہوں جہاں نہ بُڑھاپے کی فکر ہے نہ موت کا ڈر۔“

یم دوت نے یہ بات بھی اُسے خوشی سے بتادی۔

آخر میں نچیکیتا نے کہا ”اے موت کے فرشتے! مجھے موت کا راز بتاؤ۔ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ اور کوئی غیر فانی کیسے بنتا ہے؟“

یم دوت مُشکل میں پڑ گیا۔ یہ بہت اہم راز تھے۔ ان کے بارے میں بھگوان اور یم دوت کے علاوہ کسی اور کو کچھ علم نہ تھا۔ لہٰذا یم دوت نے نچیکیتا سے استدعا کی کہ وہ کچھ اور — دولت، طاقت یا حکومت مانگ لے، لیکن نچیکیتا اس ترغیب پر ذرا بھی مائل نہیں ہوا۔ وہ موت اور دائمی زندگی کا راز جاننا چاہتا تھا۔

لڑکے کی ان گہرے معاملات کو جاننے کی اس خواہش پر یم دوت کو بہت حیرت ہوئی۔ اُسے نچیکیتا کے سوالات کا جواب دینا تھا۔ اُس نے لڑکے کو حقیقی شخصیت، آتما سے واقف ہونے کی دُشواری کے بارے میں سمجھایا۔ ایک مرتبہ جب وہ اپنی اس حقیقی شخصیت سے واقف ہوجائے گا تو موت اُس کے لیے محض ایک فریب ہو کر رہ جائے گی کیوں کہ آدمی کی آتما امر ہے۔

نچیکیتا کی کہانی اُپنیشد سے لی گئی ہے۔ اُپنیشد کی حکایتوں میں ہم بہت سے کم سِن مگر اپنے ارادے میں مُستحکم رہنے والے متلاشیوں سے مِلتے ہیں۔

اُپنیشد کی حکایتوں سے ہمیں اس بے مثال نظامِ تعلیم کی جھلکیاں مِلتی ہیں جو بہت زمانے پہلے ہمارے مُلک میں رائج تھا۔ شاگرد اپنے گُرو کے ساتھ جنگل میں رہتا تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے اپنے آپ کو پڑھائی کے لیے وقف کر دیتا تھا۔ اُس کی تعلیم شاستروں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ وہ یوگ اور تپسیا کے ساتھ ساتھ سخت جسمانی محنت کا کام بھی کرتا تھا۔

ہندوستان کے موروثی ادب میں اہمیت کے لحاظ سے اپنیشد کا درجہ ویدوں

کے بعد دوسرا ہے۔ بہت سے عالم ان کو ویدوں کا ہی ایک حِصّہ سمجھتے ہیں۔ ان کو ویدانت — ویدوں کا اختتام کہتے ہیں۔ اُپنیشدوں کو ویدوں کی تشریحات کہہ کر بیان کرنا زیادہ مناسب رہے گا۔ ہر اُپنیشد کا موضوع کسی نہ کسی وید سے متعلق ہے۔ صرف کچھ اُپنیشدوں کو چھوڑ کر جنھیں کافی عرصے بعد تصنیف کیا گیا تھا، زیادہ تر اُپنیشد ویدک زمانے کے آخر تک مکمّل کر لیے گئے تھے۔ اُپنیشدوں کی تعداد ۱۰۸ ہے جن میں ایشا، کین، کتھا، منڈوک، منڈوکیا اور پراسن بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

” اپنے آپ کو جانو۔“ یہ اُپنیشدوں اور ویدوں کا پیغام ہے لیکن اس پر عمل کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ لہٰذا اُپنیشدوں میں کہا گیا ہے:

” ہر کوئی آتما کی آواز نہیں سُن سکتا۔ بہت سے اسے سُنتے ضرور ہیں لیکن سمجھ نہیں پاتے۔ قابلِ تعریف ہے وہ شخص جو اس کا تذکرہ کرتا ہے۔ عقل مند وہ ہے جو اس کے بارے میں جانکاری حاصل کرتا ہے۔ خوش قسمت وہ ہے جسے ایک لائق گُرو نے پڑھایا ہو اور وہ اسے سمجھنے کے قابل بن گیا ہو۔“

لیکن اُپنیشدوں کو ان کے تصنیف کرنے والوں سے زیادہ بہتر طریقے سے کون پڑھا سکتا ہے؟ وہ ان کے راز بیان کرنے کی نہایت صاف اور زوردار کوشش کرتے ہیں۔ ایک مثال پیش ہے:

ایک مرتبہ عظیم گیانی یجناواک راجہ جنک کے ساتھ فلسفے پر بحث کر رہا تھا۔ راجہ جنک ایک نہایت قابل اور عقل مند شخص تھا۔ یجناواک نے راجہ سے خوش ہو کر اس کی ایک خواہش پوری کرنے کا وعدہ کیا۔

راجہ نے اپنی تمام زندگی پورانوں کے مطالعے اور ان پر غور و فکر کرنے میں گزاری تھی لیکن راجہ جنک کی علم حاصل کرنے کی پیاس ابھی بجھی نہیں تھی اور علم حاصل کرنے کی آرزو میں اُس نے رشی سے مندرجہ ذیل سوالات کے جواب

دینے کی استدعا کی:

"یجنا واک!" راجہ نے پوچھا "آدمی کی روشنی کیا ہے؟"

یجنا واک نے جواب دیا "سورج، اے راجہ! اس کی روشنی میں آدمی دیکھتا ہے، کام کرتا ہے اور گھر واپس جاتا ہے۔"

جنک ویدیہا نے کہا "اے یجنا واک! یہ تو بالکل ٹھیک ہے مگر جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو آدمی کی زندگی کس کے سہارے چلتی ہے؟"

یجنا واک نے جواب دیا "چاند اُس کا جیون ہے۔ اس کی روشنی میں آدمی دیکھتا ہے، کام کرتا ہے اور گھر واپس ہوتا ہے۔"

جنک نے کہا "یہ بھی ٹھیک ہے، یجنا واک! مگر جب سورج غروب ہو گیا اور چاند بھی ڈوب گیا ہو تو پھر آدمی کی زندگی کس کے سہارے چلتی ہے؟"

یجنا واک نے جواب دیا "آگ اُس کی زندگی ہے۔ اُس کی روشنی میں آدمی دیکھتا ہے، کام کرتا ہے اور گھر واپس ہوتا ہے۔"

جنک ویدیہا نے کہا "یہ بھی بالکل ٹھیک ہے مگر جب سورج غروب ہو گیا ہو اور چاند بھی ڈوب گیا ہو، آگ بھی بُجھ گئی ہو، اُس وقت آدمی کی زندگی کس چیز کے سہارے چلتی ہے؟"

یجنا واک نے کہا "آواز اُس کی زندگی ہے۔ اس کے سہارے آدمی دیکھتا ہے، کام کرتا ہے اور گھر واپس ہوتا ہے۔ اس طرح اے راجہ! اُس وقت جب کوئی آدمی اپنا ہاتھ بھی صاف

طور سے نہ دیکھ سکتا ہو، تو کوئی آواز سُننے پر وہ اُس کی ہی جانب دوڑتا ہے۔"

جنک ویدیہا نے کہا "یہ بھی بالکل ٹھیک ہے مگر جب سورج غروب ہو گیا ہو، چاند ڈوب گیا ہو، اور آگ بُجھ گئی ہو، اور آواز بھی ختم ہو گئی ہو، تو اُس وقت آدمی کی زندگی کس کے سہارے چلتی ہے؟"

یجنا واک نے جواب دیا "تب آتما اُس کی روشنی ہے۔"

رامائن

ڈَنڈکرانیہ نامی پہاڑوں اور ندیوں سے مالا مال ایک گھنا قدیم جنگل آج بھی موجود ہے۔ اس کا ذکر عہدِ ماضی کی اَن گنت کتابوں میں مِلتا ہے اور یہ اُس زمانے میں بہت زیادہ بڑا اور گھنا تھا۔ اس نے گوداوری اور نرملا کا درمیانی علاقہ گھیر رکھا تھا۔

آج بھی دریائے تَمس کو خوشی سے گنگناتے اور اٹھلاتے ہوئے ، اپنے راستے میں سفید اور بھُوری رنگ کی کنکریوں پر گامزن، اس گھنے جنگل میں دیکھا جا سکتا ہے۔

تین ہزار سال پہلے اس دریا کے کنارے ایک عالِم فاضل رشی رہتا تھا۔ برسوں اُس نے زبردست تپسیا کی اور بے حِس و حرکت بیٹھا رہا، یہاں تک کہ اُس کے چاروں طرف، اُس کے جسم کو ڈھکتے ہوئے، چیونٹیوں نے بڑے بڑے ٹیلے بنا لیے۔ چیونٹیوں کے ان ٹیلوں کو سنسکرت میں 'والمیک' کہتے ہیں۔ اس لیے جب وہ رشی ان ٹیلوں میں سے ظاہر ہوا تو 'والمیکی' کہلایا۔

ایک دِن جب رشی دریائے تمس میں اشنان کرنے کے بعد اپنی کُٹیا واپس جا رہا تھا، اُس نے پرندوں کے ایک خوب صورت جوڑے کو آپس میں کھیلتے اور ایک دوسرے کا پیچھا کرتے دیکھا۔ والمیکی انھیں دیکھنے کے لیے

رُک گئے۔ اچانک ہی ایک تیر فضا میں سنسناتا ہوا آکر ایک پرندے کو لگا اور اُسے مار گرایا۔ دوسرے پرندے نے ایک کریہہ اور درد بھری آواز نکالی۔

والمیکی غُصّے سے کپکپا اُٹھے۔ رحم، افسوس، نفرت بھرے جذبات سے بے قابو ہو کر انھوں نے کچھ کہا۔ ان کے الفاظ شکاری کی حرکت پر سرزنش سے زیادہ کچھ نہ تھے۔ ان الفاظ نے آدمی کو بتایا کہ اُس کا رویّہ اور سلوک کیسا ہونا چاہیے؟

جب رشی کا غُصّہ ٹھنڈا ہوا تو اُسے پتہ چلا کہ جس لہجے میں اُس نے وہ الفاظ کہے تھے، اُن کی قوّت غیر معمولی تھی۔ والمیکی کچھ دِن پہلے سے
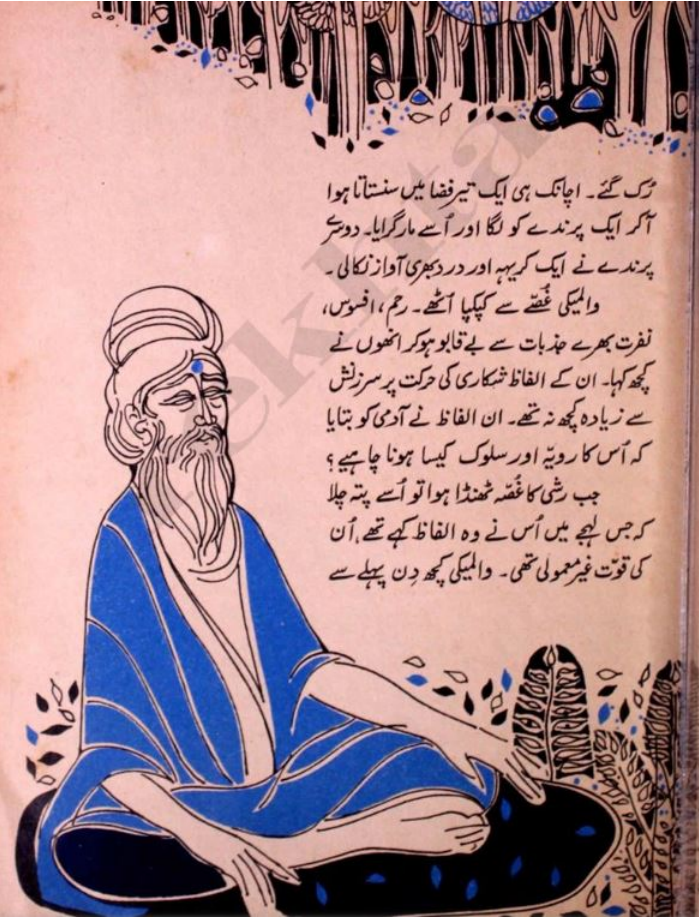
اپنی ایک کتاب کے لیے ایک نئے اندازِ بیان کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ اُنھیں اب وہ لہجہ مِل گیا تھا جو ان کے مقصد کو پورا کر سکتا تھا۔

اس طرح وہ الفاظ جن میں شکاری کو مخاطب کیا گیا تھا، اُن سے ایک نیا طرزِ بیان — شعریت — ظہور میں آیا۔ والمیکی ہمارے پہلے شاعر (آدی کوی) ہیں۔ اُن کی لازوال رزمیہ نظم 'مہاکاوے'، جو سنسکرت میں لکھی گئی ہے، ہمارے ادب میں پہلا شعری کارنامہ ہے۔

اس رزمیہ نظم کا نام رامائن ہے۔ اس کے بارے میں ہر ہندوستانی بچّہ کسی نہ کسی شکل میں واقفیت رکھتا ہے۔ میں نے یہاں 'کسی نہ کسی شکل' کے الفاظ کا استعمال کیا ہے کیوں کہ زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ رامائن کی اہم کہانی نے بے شمار مصنّفوں کو بہت متاثر کیا۔ اُنھوں نے اس کے بارے میں رزمیہ نظمیں، ڈرامے اور کہانیاں لکھیں۔ ان میں دو زبردست شاعر — شمالی ہند سے تلسی داس اور جنوبی ہند سے کمبن تھے جنھوں نے اپنے اپنے طور پر رامائن لکھی جو ہندوستان کے ان دونوں حصّوں میں بہت مقبول ہیں۔

رامائن کے ان تمام نسخوں میں مرکزی پلاٹ کم و بیش ایک سا ہے۔ ایودھیا کے راجکُمار کو اُس کے پِتا راجہ دشرتھ راج پاٹ سونپنے والے ہوتے ہیں مگر رسمِ تاج پوشی کے موقع پر کیکیئی جو راجہ کی تین رانیوں میں سے ایک ہے، راجا کو یاد دلاتی ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اُس کی دو خواہشات پوری کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ راجہ اُسے یقین دلاتا ہے کہ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔

کیکئی فوراً یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اُس کے بیٹے بھرت کو راجہ دشرتھ کے جانشین کے طور پر تخت پر بٹھایا جائے اور رام کو چودہ برس کا بن باس دیا جائے۔ راجہ دشرتھ بھونچکا رہ جاتے ہیں اور وہ رانی سے کچھ اور مانگنے کی لاحاصل درخواست کرتے ہیں۔

اپنے پتا کا وعدہ پورا کرنے کے لیے رام اپنی بیوی سیتا اور چھوٹے بھائی لکشمن کے ساتھ ایودھیا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

کچھ عرصے بعد راجہ دشرتھ کی اس غم میں موت ہو جاتی ہے۔ اَن چاہے اور اُداس من سے بھرت رام کی جگہ ایودھیا پر حکومت کرتے ہیں۔

رام اپنی بیوی سیتا اور بھائی لکشمن کے ساتھ ڈنڈکرانیہ کا سفر کرتے ہیں۔ راستے میں وہ بہت سے راکھشسوں کو ختم کر دیتے ہیں جو جنگل میں رہنے والے دھارمک یوگیوں کے ساتھ ہمیشہ ظالمانہ سلوک کرتے رہتے تھے۔ راکھشسوں کا راجہ راون جو لنکا پر حکومت کرتا ہے، رام سے بدلہ لینے کا فیصلہ کرتا ہے۔ وہ سیتا کو دھوکے سے اغوا کر کے لے جاتا ہے۔

بڑی تلاش و جستجو کے بعد، بندروں کی ایک فوج کی مدد سے رام راون کے جزیرے پر حملہ کرتے ہیں اور

راون کو مار کر سیتا کو اُس کے پنجے سے چھڑاتے ہیں۔

چودہ برس گزر جاتے ہیں۔ رام اور سیتا ایودھیا واپس لوٹتے ہیں۔ رام گدی سنبھالتے ہیں اور خود کو ایک آدرش راجہ ثابت کرتے ہیں۔ پھر ایک دِن وہ اپنی رعایا میں سے کسی کو کہتے سُنتے ہیں "سیتا، جو ایک راکھشس کے محل میں رہ چکی ہیں، کو کیا رانی کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے؟"

رام کے کہنے پر لکشمن سیتا کو جنگل میں لے جاتے ہیں اور اُسے والمیکی کے آشرم کے پاس چھوڑ دیتے ہیں۔ والمیکی سیتا کا سواگت کرتے ہیں اور اپنے آشرم میں پناہ دیتے ہیں۔ کچھ عرصے بعد سیتا دو جُڑواں بچوں لَو اور کُش کو جنم دیتی ہیں۔

والمیکی کی شفقت بھری دیکھ ریکھ میں دونوں لڑکے پروان چڑھتے ہیں۔ اُس وقت تک والمیکی رامائن تصنیف

کر چکے تھے۔ ایک دِن وہ لو اور کُش کو رام کے محل میں رامائن سُنانے کے لیے لے جاتے ہیں۔ اپنے بیٹوں کو پہچان کر رام کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہتا۔ وہ سیتا کو واپس لانے کا انتظام کرتا ہے۔

جب سیتا ایودھیا واپس آتی ہیں تو انھیں اپنی پاکیزگی ثابت کرنے کے لیے آگ میں سے گزرنے کے لیے کہا جاتا ہے لیکن اب سیتا کو زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ وہ دھرتی ماں سے التجا کرتی ہیں کہ اگر وہ پاکیزہ ہے تو دھرتی ماں اُسے اپنی آغوش میں واپس لے لے۔

زمین شق ہوتی ہے اور سیتا جی اُس میں سما جاتی ہیں، جس سے نہ صرف ان کی پاکیزگی ثابت ہوتی ہے بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شک کرنے والے ان کی عظمت تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

رامائن کے معنی بہت گہرے ہیں۔ مُدّتوں سے خوب صورت اور خوب سیرت سیتا، جو ہر مصیبت اُف کیے بغیر سہتی ہے "آسمانی ماں" کی طرح پُوجی جاتی ہے، وہ "ستیہ"، یعنی سچائی کی مُورتی ہے ـــــ وہ سچائی جسے سورما رام نے فریبی راکھشس راون کے پنجے سے نجات دلائی ـــــ وہ سچائی جسے انسان نے اپنی تنگ دلی کی وجہ سے کھو دیا ہے۔

عالمی ادب کے رزمیہ کرداروں میں رام ایک غیر معمولی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ تابعداری اور فرماں برداری کی مثال ہیں۔ انھوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے پتا کا حکم پورا کیا اور اپنے جانشین ہونے کے حق کو چھوڑا۔ وہ ایک باوقار شوہر تھے۔ انھوں نے سیتا کو آزاد کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور آخر میں رام نے عوام کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے اپنا فرض پورا کیا اور اُس سیتا کو جلاوطن کیا جسے وہ آگ کی طرح پاکیزہ مانتے تھے۔

لیکن ہندوستانیوں کے لیے رام اس سے بھی زیادہ بلند و بالا ہستی ہیں۔ وہ وشنو کے اوتاروں میں سے ہیں، جس کا ثبوت یہ ہے کہ بھرت سے مدد مانگنے

کی بجائے انھوں نے بندروں کی ایک فوج کی رہنمائی کرنا منظور کیا۔ رام جو کچھ بھی کرتے تھے وہ وفاداری اور صُلح جوئی پر مبنی ہوتا تھا۔ ان ہی خصوصیات کے سبب غیر تربیت یافتہ بندر، دس سروں والے راون کی ایک بہت اچھی تربیت یافتہ فوج کو شکست دینے کے قابل ہوئے تھے۔ راون کو دس سروں والا شاید اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ وہ دس مختلف علوم "ودیاؤں" کا ماہر تھا۔ راون کے اوپر رام کی فتح ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سچائی تمام بُرائیوں سے افضل ہوتی ہے۔

آج بھی سینکڑوں "جترا"، لوک کتھاؤں کی منڈلیاں، رامائن کی کہانی اسٹیج کرتی ہیں اور دیہاتی باشندوں کو خوش کرتی ہیں۔ اور کسی بھی داستان گو کو دیہاتیوں کے درمیان پالینا کوئی غیر معمولی امر نہیں ہے جو ان کے درمیان رات گئے تک چاندنی رات میں رام کے رنج و غم اور ہنومان کی بہادری کی داستان بیان کرتا ہے۔

رام ایک مہان راجہ تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں رعایا خوش و خرّم تھی۔ اس لیے آج بھی لوگ اس زرّیں دور کو بیان کرنے کے لیے رام راج کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اکثر گاؤں کی سبھاؤں، پنچایتوں جہاں جھگڑوں کا فیصلہ کیا جاتا ہے، لوگ سچ بولنے کے لیے رام کے نام کی قسم کھاتے ہیں۔ رام کا مطلب ہے سچائی سے بھرپور شخصیت!

کچھ اہم ہندوستانی تہوار رام کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ دیوالی رُوشنیوں کا تہوار، رام کے کامیابی سے ایودھیا لوٹنے پر منایا جاتا ہے۔ دسہرہ اُس دِن کی نشان دہی کرتا ہے جب رام نے دیوی دُرگا کی پوجا کر کے اس سے راون پر فتح کی بشارت حاصل کر لی تھی۔

ان لاتعداد ہندوستانی حکایتوں کے علاوہ رامائن کے بہت سے غیر مُلکی

چربے بھی ہیں۔ پندرہ سو سال قبل رامائن نے اس وقت چینی چولا پہنا تھا جب وہ تبتی حکایتوں کے ذریعے چین پہنچی تھی۔ کمبوڈین مندر کی ایک تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ رامائن وہاں بھی چودہ سو سال پہلے گائی جاتی تھی۔

رامائن نے اپنا ایسا ہی اثر تھائی لینڈ میں دکھایا تھا۔ وہ مُلک جس نے اپنے پائے تخت کا نام ایودھیا پر ایوتھیا رکھا تھا۔ انڈونیشیا میں بھی رامائن کے قبول عام کو مُبالغہ نہیں کہا جاسکتا۔ آج انڈونیشیا کے قدیم ناچ رامائن کی کہانی کے خدوخال دکھاتے ہیں۔ بہت زمانہ پہلے ہندوستانی تاجر اور ہندوستانی تہذیب کے نمائندے رامائن کو جنوبی ایشیا کے ممالک میں لائے تھے۔ اِن ممالک کے شاعروں اور مصنّفین نے اپنے خیالات اور مقامی حکایات اس میں سمو دیں اور اس کہانی سے مختلف رنگ برنگی حکایات کو جنم دیا۔

دُنیائے ادب کی تاریخ میں رامائن کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ کسی دوسری کہانی سے اتنی حکایات نے جنم نہیں لیا ہے اور نہ ہی کسی اور کہانی کو اپنی جنم بُھومی کے علاوہ اتنی ہر دلعزیزی حاصل ہوئی ہے۔

مہابھارت

ایک گاؤں میں ایک چھوٹے سے لڑکے نے ایک لمبے چوڑے، موٹے تازے بڑی بڑی مونچھوں والے مضبوط شخص کو دیکھا۔ وہ بھاگا ہوا اپنی ماں کے پاس گیا اور بولا "ماں! میں نے ابھی بھیم کو دیکھا ہے!"

بھیم جیسا کہ تم جانتے ہو مہابھارت کے زبردست سورماؤں میں سے تھا۔ رامائن اور مہابھارت کو منظرِ عام پر آئے صدیاں گزر چکی ہیں لیکن ہندوستانی بچّوں کے لیے ان کے کردار اب تک تر و تازہ ہیں۔ شری کرشن اپنے چکّر اور سنکھ کے ساتھ، ارجُن اپنی بھاری چمکدار کمان کے ساتھ، بھیم اپنی تمام تر دہشت انگیزیوں کے ساتھ، رام بہادری کے ساتھ ساتھ اپنی دردمندی کے لیے آج بھی زندہ جاوید ہیں۔ ہنومان بغیر کسی جدوجہد کے ایک پہاڑ کو اُکھاڑ کر فضا میں سینکڑوں میل دُور اُڑا کر لے جاسکتے تھے۔ یہ بات سب لوگوں کو بالکل اسی طرح معلوم ہے جس طرح وہ اپنی روزمرّہ کی زندگی میں مختلف لوگوں کو جانتے ہیں۔

مہابھارت کی کہانی مختصر طور پر کچھ اس طرح ہے:

ہستناپور کے راجہ سنتانو کے دو بیٹے تھے دھرت راشٹر اور پانڈو۔ بڑا بیٹا دھرت راشٹر اندھا تھا اس لیے سنتانو کا جانشین پانڈو ہوا۔

مگر ایک بددُعا کی وجہ سے پانڈو کو کئی سال اپنی دونوں رانیوں کے ساتھ جنگل میں

گزارنے پڑے۔ جب وہ جنگل میں تھا تب ہی اُس کے یہاں پانچ بیٹے پیدا ہوئے تھے۔ ان لڑکوں: یدھشٹر، ارجُن، بھیم، نکُل اور سہدیو کو بڑے عقل منداور گیانی رشیوں نے تعلیم دی جو وہاں جنگل میں رہتے تھے۔

جب پانڈو مر گیا تب اس کی رانیاں اور بیٹے پانڈو ہستنا پور واپس آئے۔ بدقسمتی سے دھرت راشٹر کے سو بیٹے کورو، پانڈووں سے حسد کرنے لگے۔ اُنھوں نے ان پانچ بھائیوں پر ان کی نرم مزاجی کے سبب بڑے ظُلم توڑے لیکن متحمل مزاج یدھشٹر نے کبھی بدلہ نہیں لیا۔

تاہم جب لڑکے بالغ ہوئے تو قابلِ تعریف بھشیم نے اُنھیں ایک
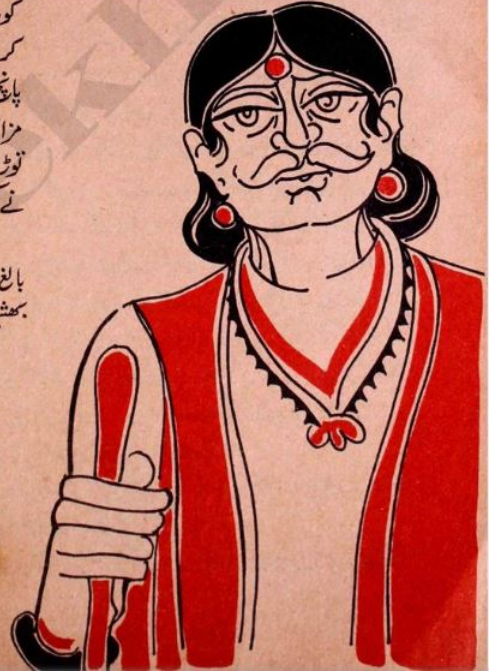
خاطر خواہ انتظام کرنے پر رضامند کیا۔ کورووں کا سب سے بڑا بھائی دریودھن اس قدیم سلطنت کے آدھے حِصّے پر جو ہستنا پور کہلاتی تھی حکومت کرتا تھا۔ یدھشٹر پانڈو کا سب سے بڑا بھائی اُس آدھے حِصّے پر جو اندر پرستھ کہلاتی تھی، حکومت کرتا تھا۔

چند سال امن و امان سے گزر گئے۔ ایک دِن کورووں نے پانڈووں کو پانسا پھینکنے کے لیے دعوت دی۔ پانڈو مُقابلہ ہار گئے اور شرط کے مطابق جس پر وہ پہلے ہی رضامند ہو گئے تھے، انھیں اپنی حکومت چھوڑنی پڑی اور تیرہ سال جنگل میں گزارنے پڑے۔

جب وہ واپس ہوئے تو دریودھن نے ان کے حصّے کی حکومت لوٹانے سے انکار کر دیا۔ ان تمام کوششوں کے ناکامیاب ہونے کے بعد جن سے جھگڑا امن وسکون سے طے ہو سکتا تھا، کورو کیشتر کی خوفناک اور خُونریز جنگ ہوئی۔ جنگ

کے موقع پر افسردہ خاطر ارجن کو اس کے چچیرے بھائیوں کے بہتے ہوئے خون نے اس لڑائی سے ہاتھ اُٹھانے پر مجبور کیا لیکن شری کرشن نے اسے بتایا کہ ہر طرح کی شخصی خواہشات سے بلند ہو کر حق اور انصاف کے لیے لڑنے والا ہی سچائی پر ہوتا ہے۔

شری کرشن اور ارجن کے اس بیان کی تفسیر کو گیتا کہا جاتا ہے۔ گیتا ہزاروں سالوں سے بے شمار لوگوں کے لیے روحانی طاقت کا منبع رہی ہے۔

جنگ کے دوران شری کرشن ارجن کے رتھ بان اور مددگار تھے۔

کوروں کو شکست ہوئی اور یدھشٹر کو راجہ بنایا گیا لیکن پانڈووں پر

یہ حقیقت آشکارہ ہو چکی تھی کہ دُنیاوی فتح اور عزّت کی اہمیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس لیے چھتیس ۳۶ سال کے امن و انصاف کے عہد کے بعد، اُنھوں نے اپنے پوتے پرکشت کو راجہ بنایا اور ہمالیہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

ایک کے بعد ایک، یدھشٹر کے تمام بھائی اور ان کی بیوی اس تکلیف دہ سفر میں نہ معلوم منزل کی طرف چلتے چلتے ناتواں ہو کر گر گر کے مر گئے۔ صرف یدھشٹر نہیں مرے اور وہ اپنی منزل یعنی سوَرگ (جنّت) پہنچ گئے۔ اس کا مطلب اُس جسم سے نہیں ہے جو ہمیشہ بلند رُوحانی مقاصد کو حاصل کرنے میں رُکاوٹ بنا رہتا ہے۔

مہابھارت میں بہت سی کہانیاں ہیں اور سب کی سب بہت اہم ہیں۔ دُنیا کی کوئی بھی کِتاب زندگی کے اتنے رُخ پیش نہیں کرتی جتنی مہابھارت کرتی ہے۔ اس کے لیے ایک مثال کہی جاتی ہے: ”بھارت میں ان چیزوں کے علاوہ ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کا ذکر مہابھارت میں نہ ہو“ —— اس لیے ہم مہابھارت کو تمام ہندوستان کی ایک مکمّل اور مختصر تاریخ کہہ سکتے ہیں —— یا وہ سب کچھ جو بھی ہندوستان تھی۔

عظیم رشی ویاس مہابھارت کے مصنّف ہیں۔ جب اُنھوں نے یہ حکایت لکھنے کا فیصلہ کیا تو یہ خواہش ظاہر کی کہ جیسے ہی وہ عالمِ وجد میں رزمیہ اشعار کہیں تو کوئی انھیں لکھتا جائے۔ انھوں نے گنیش جی سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلے میں مدد کریں۔ شری گنیش رضامند ہو گئے لیکن اس شرط پر کہ وہ شاعر کے سانس لینے یا دم لینے کے واسطے بھی نہیں ٹھہریں گے۔ ویاس بھی راضی ہو گئے لیکن اس شرط پر کہ شری گنیش بھی کسی بھی لفظ کو پورے طور سے سمجھے بغیر نہیں لکھیں گے۔

اس طرح مہابھارت ۹۰ ہزار اشلوکوں پر مُشتمل اٹھارہ حِصّوں میں لکھی گئی۔

پوران

”تب بارش آگئی اور سیاہ بادلوں نے چاند کو اس طرح ڈھک لیا —— جس طرح آدمی کی جھوٹی انا اُس کی آتما کو ڈھک لیتی ہے۔ یہ (کِتاب) اُن پر رحمت کی طرح برسی.... جو بالکل نئی تھی اور ہر طرح کے بلند و برتر خیالات سے آراستہ تھی۔

”پھر خزاں آئی۔ آسمان اور پانی بالکل ایسے صاف ہو گیا جیسے خالی ذہن صاف ہوتا ہے۔ دلدلی راستے جاہل کے تصوّرات کی طرح آہستگی سے نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ سمندر اُس آتما کی طرح جو خود کو پا چکی ہے ’شانت‘ (خاموش) ہو جائے۔ چاند سچّے عِلم کی روشنی کی طرح چمکے۔“

یہ ٹکڑا بھگوت سے لیا گیا ہے جو تمام پورانوں میں سب سے زیادہ مقبول ہے۔ یہاں شاعر فطرت اور انسانی ذہن کے درمیان ایک حد کھینچ رہا ہے۔ یہ طریقہ تمام کِتاب میں ہے۔

جنگلوں میں سے معصوم شری کرشن کی ساحرانہ بانسری کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ گائیں، چرواہے، گوپیاں اور حتّیٰ کہ دریائے جمنا بھی —— اپنے آپ کو بھول کر عالمِ وجد میں اس بانسری کی موسیقی کو سُنتے ہیں۔ اب اس چیز کو محض شاعر کے تصوّر کی تخلیق کے طور پر نہیں لیا گیا ہے۔ اس کے معنی بہت گہرے ہیں۔ بانسری میں رُوحِ فطرت کی آواز تھی جسے دِل سے سُننے کے لیے تمام فطرت اور مخلوق مجبور تھی۔

بھگوت ہمیں شری کرشن کی زندگی کی بہت سی داستانوں کے بارے میں بتاتی ہے اور ہر داستان کے معنی بہت گہرے ہیں۔

بھگوت ان پورانوں میں ہے جو سن عیسوی کی پہلی اور چھٹی صدی کے درمیان لکھی گئی تھیں لیکن کم از کم ان میں سے ایک وہ پوران بہت پُرانا ہے جسے ویاس کا تصنیف کردہ ابتدائی پوران کہا جاتا ہے۔ ویاس کے پوران کے اِلہامی خیالات کو بُنیاد بنا کر اس کے شاگردوں نے، اور اس کے شاگردوں کے شاگردوں نے چھتیس ۳۶ پوران لکھے۔ ان میں کچھ اہم پوران مہاپوران کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد اُپ پوران کا نمبر آتا ہے۔ مہاپورانوں میں وشنو، بھگوت، نرادیہ، گرودا، پدم، وراہ، اگنی، مارکنڈے، بھوشیہ، ومن، وایو، لنگ، کنڈ، متسیہ اور کرم پوران آتے ہیں۔

سنسکرت میں 'پوران' کا مطلب ان قدیم داستانوں سے ہے جو سدا بہار رہتی ہیں ('پوران اپی نوم' کے لغوی معنی ہیں: قدیم مگر نیا)۔

گو کہ پورانوں میں خصوصی طور پر بڑے بڑے دیوتاؤں ـــــ برہما، وشنو

اور شیو کی حکمتوں اور زندگی کے حالات کو بیان کیا گیا ہے —— مگر ان کے علاوہ ان میں زندگی کے دوسرے مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے۔ کیا یہ بات تجسّس خیز نہیں کہ بہت زمانے پہلے جب اہلِ مغرب اس مسئلے کے بارے میں سوچا کرتے تھے اس وقت وشنو پوران نے یہ بات صاف طور پر بیان کر دی تھی کہ کائنات کے محور کا مرکز زمین نہیں بلکہ سُورج ہے!

پورانوں میں زمین کی تخلیق کی مدّت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہ کیسے قایم ہوئی اور کیسے ہر زمانے کے چکر کے بعد اس کی مکمل ہلاکت ہوئی، جس نے پھر ایک نئے آغاز کی راہ دکھائی۔

لیکن پورانوں میں زندگی کے فلسفے اور سائنس کے موضوعات پر بار بار بحث بھی کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر گرودا پوران ہمیں مختلف دواؤں اور جسم کو صحت مند رکھنے کے طریقوں کے بارے میں بتاتا ہے۔
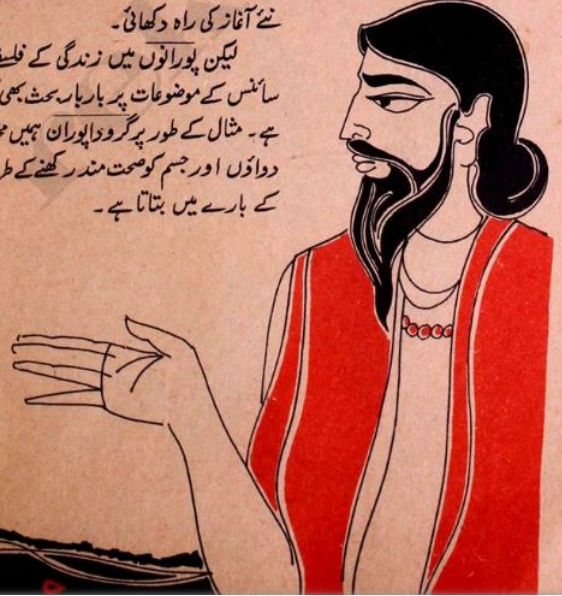
مہاپورانوں اور اُپ پورانوں کے علاوہ پورانوں کی ایک تیسری قسم ستھل پوران کہلاتی ہے، جو ہندوستان کے مختلف مقدّس مقامات کی اہمیت اور وقار کے بارے میں بتاتی ہے۔ سینکڑوں سال پہلے ان چھوٹے پورانوں نے ہندوستانی روایت اور قدیم تاریخ کے گوداموں کا کام دیتے ہوئے لوگوں کو ہمارے ان مقدس مقامات کی یاتراؤں پر راغب کیا ہے جو ہمالیہ سے لے کر کنیاکماری تک پھیلے ہوئے ہیں۔

حقیقت میں پورانوں کے مصنّفین اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ پورا ہندوستان —— ماں کے جسم کی طرح مقدس ہے۔ اس نظریے کے لیے کلکِ پوران میں اہم داستان بیان کی گئی ہے:

بہت زمانہ پہلے ہمالیہ کی ترائی میں ایک نوجوان راجکمار دکشا رہتا تھا۔ وہ مہامایا، دیوی ماتا کا سرگرم پُجاری تھا۔ راجکمار سے خوش ہو کر دیوی نے اس کی ایک خواہش پوری کرنے کا وعدہ کیا۔ راجکمار نے دیوی سے اپنی بیٹی کا جنم لینے کے لیے کہا۔

دیوی رضامند ہو گئی مگر اس نے کہا "اگر میرے انسانی قالب لینے کے بعد تم نے میری پُوجا

اور میری عزّت نہیں کی تو میں فوراً اپنا انسانی قالب چھوڑ دوں گی ۔"
"بھلا میں تمھاری شخصیت کیسے بھول جاؤں گا۔" دکشا نے اعتراض کیا۔
جب دکشا راجہ ہوا تو دیوی انسانی جسم لے کر اس کے یہاں بیٹی کی طرح پیدا ہوئی۔ وہ بہت خوب صورت تھی۔ اُس کا نام ستی رکھا گیا۔
دکشا کو اپنی بیٹی سے بے حد محبّت تھی۔ جب وہ بڑی ہوئی تو وہ بھول گیا کہ وہ اس کی بیٹی سے زیادہ کچھ اور تھی۔ اور جب ستی دیوتاؤں کے زور دینے پر خالی الذہن شیو سے بیاہ دی گئی تو دکشا کو زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی۔
شیو ایک پہاڑ کی چوٹی پر عجیب و غریب مخلوقات ــــ ایک سانڈ، چند سانپوں اور بہت سے بھوت پریتوں کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کے پاس نہ کوئی ڈھنگ کا مکان تھا اور نہ گھر جس میں وہ اپنی دِل چسپی کا سامان مہیّا کر سکتے۔ کون سا باپ یہ پسند کرے گا کہ اُس کی بیٹی اُس جگہ زندگی گزارے جہاں رشتے دار بھی آنے میں جھجکے گا جب تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ اس کی بیٹی اور داماد کوئی عام آدمی نہ تھے۔
ایک دِن دکشا کے محل میں بہت بڑا تہوار منایا گیا۔ دکشا نے ستی اور شیو کے علاوہ تمام رشتے داروں کو بُلایا۔ ستی نے بھی عظیم رشی نرادا سے اس تہوار کے بارے میں سُنا اور وہ فوراً وہاں جانے کے لیے تیار ہوگئی لیکن شیو نے اعتراض کیا اور کہا کہ اسے بن بُلائے مہمان کی طرح نہیں جانا چاہیے لیکن ستی نے دلیل پیش کی: "کیا ایک بیٹی کو محض اس لیے ہچکچانا چاہیے کہ اس کے باپ نے اسے نہیں پوچھا۔"
شام ہو چکی تھی اور دکشا کا محل تیل کے ہزاروں چراغوں کی روشنی میں جگمگا رہا تھا اور لاکھوں پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ سینکڑوں مہمان بڑے ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک خوشی سے ناچتی ہوئی ستی اپنے باپ کے سامنے آموجود

ہوئی لیکن بدقسمتی سے دکشا اسے دیکھ کر خوش نہ ہوا۔ وہ ستی کو سادے کپڑے پہنے ہوئے دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوا تھا جبکہ وہ خود اور اُس کی دوسری بیٹیاں قیمتی سِلک کے چمکدار کپڑے اور قیمتی جواہرات پہنے ہوئے تھیں۔ ستی کے ایسا نظر آنے کے لیے کون ذمّے دار تھا۔ دکشا نے سوچا 'کوئی نہیں۔ صرف اس کا لاپرواہ، غیر حاضر دماغ داماد!'
غصّے کی حالت میں اس نے شیو کو بہت بُرا بھلا کہا۔ ستی اپنی تمام بے عزّتی برداشت کر سکتی تھی لیکن اس کے باپ کا شیو کو بُرا بھلا کہنا اس کی برداشت سے باہر تھا۔ اُس نے اُس سے خاموش رہنے کی درخواست کی لیکن وہ نہیں مانا۔ سخت تکلیف کے عالم میں ستی نے گِر کر دم توڑ دیا۔
اس غمناک واقعے کی خبر شیو تک پہنچی۔ عام حالت میں خاموش اور سوچ و فکر میں غرق رہنے والا دیوتا غصّے سے کپکپا اُٹھا۔ اس کے غصّے کے پیش نظر بھوت پریتوں کا بے چین اژدہام بھی تباہی اور غارت گری کا خواہش مند ہوگیا۔ وہ سب دکشا کے محل پر ٹوٹ پڑے اور آنکھ جھپکتے ہی خوشی سے بھرپور محل کو ایک قبرستان میں تبدیل کر دیا۔
جلد ہی شیو بھی مُنھ سے کچھ بولے بغیر وہاں پہنچ گئے اور اپنی محبوب بیوی کی لاش کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر اُنھوں نے اُس کی لاش کو اپنے شانوں پر اُٹھایا اور کوئی منزل مُتعیّن کیے بغیر رنج و افسوس میں گُم ہو کر آگے چلنا شروع کر دیا۔
لیکن اس کو، اس طرح چلنے کی آخر کہاں تک اجازت دی جا سکتی تھی۔ آخرکار وشنو نے اپنے پوشیدہ چکّر کے ذریعے ستی کی لاش کو ٹکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ جب جسم کا کوئی نشان باقی نہیں رہا تو شیو پہاڑ پر واپس آکر دوبارہ مُراقبے میں گُم ہوگئے۔

کُرَل

جس وراثت کے بارے میں ہندوستان کو بجا طور پر فخر حاصل ہے، اس میں غیر معمولی کردار تامل بھی ادا کرتی ہے جو دُنیا کی قدیم زبانوں میں سے ہے۔ سینکڑوں سال تک سنسکرت اور تامل زبانیں دو بہنوں کی طرح شانہ بہ شانہ چلتی رہی تھیں۔

دو ہزار سال پہلے تامل ناڈو کے ایک رشی نے چھوٹی چھوٹی بہت سی نظمیں لکھیں جن کی قوتِ بیان اور سچائی ہندوستان ادب میں لاثانی حیثیت رکھتی تھیں۔ یہ کلام 'ترُو کرُل' یا 'کرُل' کہلاتا ہے۔ 'ترو' کے معنی مقدس کے ہیں اور 'کرُل' کے معنی چھوٹی نظم کے ہیں۔ یہ کلام ۱۳۳ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں دس شعر ہیں۔

جس رشی نے ان اشعار کو تصنیف کیا وہ ترووَلّور کے نام سے مشہور ہیں۔ عہدِ قدیم کے بہت سے عظیم لوگوں کی طرح انھوں نے اپنی کوئی سوانح عمری نہیں چھوڑی ہے، یہاں تک کہ ان کے اصلی نام کا بھی اب تک پتہ نہیں چلا ہے۔ 'ترووَلّور' کا مطلب ہے وَلّوا طبقے کا پجاری۔ وَلّوا راجہ کے نقیب تھے جو ہاتھیوں پر سوار ہو کر شاہی احکامات کے اعلانات کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ترووَلّور نے ایک جُدا شے کا انتخاب کیا تھا۔ وہ مِلاپور میں جو اب مدراس کا ہی ایک حصّہ

ہے، ایک جولاہے کی حیثیت سے زندگی گزارتے تھے لیکن وہ ایک جولاہے تھے، اس کے بارے میں بھی ہم پورے یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ قدیم زمانے میں انھیں لفظ جولاہے سے اس لیے مشابہت دی گئی ہو کیونکہ وہ بہت خوب صورت اشعار بُنا کرتے تھے۔

ان کے بارے میں بہت سی دِلچسپ داستانیں بیان کی جاتی ہیں۔ لوگ ان کے پاس اکثر اپنے مسائل پر صلاح و مشورہ مانگنے آتے تھے۔ رشی، جیسے بھی ممکن ہوتا تھا اُنھیں مثالوں اور کہاوتوں کے حوالوں سے مطمئن کر دیتے تھے۔

ایک دِن صُبح ایک نوجوان آدمی ان کے پاس ایک مسئلہ لے کر آیا: "مہربانی کر کے

آپ مجھے بتائیں گے کہ شادی کرنا اچھا ہے یا شادی نہیں کرنا ؟" اس نے پوچھا۔

رشی مسکرائے اور انھوں نے نوجوان سے چند گھنٹے اپنے پاس گزارنے کے لیے کہا۔ جب وہ ناشتہ کرنے کے لیے بیٹھے تو رشی کی بیوی نے اُنھیں گذشتہ رات کے پکے ہوئے چاول دیے جو بالکل ٹھنڈے تھے لیکن رشی نے چلّاکر کہا "واسکی یہ تو بہت گرم ہیں"۔ بغیر کچھ کہے اُس کی بیوی واسکی بیٹھ گئی اور چاولوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پنکھا جھلنے لگی۔

پھر جب رشی اور اُس کا مہمان دوپہر میں کھانے کے لیے بیٹھے تو رشی نے بلند آواز میں کہا "واسکی تم نے رات ہونے کے باوجود چراغ کیوں نہیں جلایا"۔ بغیر کسی ناپسندیدہ بڑبڑاہٹ کے واسکی نے چراغ جلاکر رشی کے قریب رکھ دیا۔

نوجوان نے جواب دیا "محترم آپ نے مجھے جواب دے دیا ہے۔ شادی کرنا یقیناً شادی نہ کرنے سے بہتر ہے لیکن عورت ایسی ہی وفا شعار اور فرمانبردار ہونی چاہیے جیسی کہ آپ کی بیوی ہے"۔

ترووَلّور نے راجہ کی خدمت میں رہنا پسند نہیں کیا لیکن آنے والی نسلوں نے انھیں عقلمندوں کا راجہ تسلیم کیا ہے۔ زندگی کے ہر موڑ اور ہر موقع پر جو کچھ بھی مشکلات ایک آدمی کو پیش آسکتی ہیں، کُرَل میں ان کے لیے اچھے اور عملی مشورے پیش کیے گئے ہیں۔ ترو کُرَل کی تعلیمات محض زندگی کی اخلاقی قدروں پر ہی مشتمل نہیں ہیں بلکہ اس میں تدبّر، سیاست اور انسانی دائرۂ عمل کے دوسرے میدانوں کے بارے میں بھی مکمل معلومات موجود ہے۔

کتھاسَرِت ساگر

کہانی میں کہانی ــــــ اور اس میں بھی کہانی ــــــ راجاؤں اور راکھشسوں کی، ہوشیار آدمیوں اور خوب صورت نوجوان عورتوں کی، دھوکا دینے والے اشخاص کی اور حماقت کو عزیز رکھنے والے لوگوں کی، بولنے والے جانوروں کی اور طلسماتی پہاڑوں کی، دِل موہ لینے والے محلوں اور بہادر سورماؤں کی ــــــ ان سب کہانیوں کو کتھاسرت ساگر کہا جاتا ہے جو کہ دُنیا کا قدیم ترین کہانیوں کا ذخیرہ ہے۔

یہ کہانیاں کس نے اور کب لکھیں ؟ ان میں سے کچھ بہت ہی پُرانے زمانے کی نشاندہی کرسکتی ہیں۔ شاید ہزاروں سال پہلے انھیں مختلف انداز سے بیان کیا گیا تھا۔ ان میں سے کچھ کہانیاں وادیِ کشمیر کے جہلم ضلع میں دہقانی سامعین کو طوفانی راتوں میں سُنائی جاتی ہوں گی۔ کچھ دوسری کہانیوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انتہائے جنوب سے سفر کرکے آئی ہیں، شاید کنیا کماری سے کہ جہاں گرمی کے دِنوں میں کوئی مچھیرا یہ کہانیاں اپنی کشتی کے سائے میں اپنے چاروں طرف بیٹھے ہوئے لڑکوں کو سُناتا تھا۔

ہندوستان کے ہر حصّے سے ہی سینکڑوں کہانیاں کتھاسِرت ساگر میں جمع ہوئی ہیں۔ 'کتھاسرت ساگر' کے لغوی معنی ہیں 'ایسا سمندر جو کہانیوں کے دریاؤں سے بنا ہو'۔ مختلف سمتوں سے دریا اور چشمے سمندر کی جانب بہتے ہیں۔ مؤلف کو اس

بات پر یقین ہوگا کہ اس نے جو کہانیاں تالیف کی ہیں وہ بہت سے علاقوں کی پیداوار ہیں۔

مؤلف سوم دیو تقریباً ایک ہزار برس پہلے کشمیر میں رہتا تھا لیکن دراصل جس کتاب میں اس نے زیادہ تر کہانیاں تالیف کی تھیں، اس کا اب تک پتہ نہیں چل سکا ہے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ اس کتاب کا نام 'برہاکتھا'، یعنی 'لمبی کہانی' تھا۔

برہاکتھا پیشاچی زبان میں گندھیہ نے لکھی تھی، یہ زبان عرصے سے مُردہ ہے۔ گندھیہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب وہ یہ شعری کہانیاں لکھ چکا تو اس نے اُنھیں اپنے سرپرست ستیہ وہان کو سُنایا لیکن ستیہ وہان نے اس میں کسی قسم کی دِل چسپی نہیں لی اور گندھیہ نااُمیدی اور غصّے کے عالم میں اپنے تخلیق کردہ صفحات ایک ایک کرکے آگ میں پھینکنے لگا۔ ستیہ وہان کو اپنی غیر دِل چسپی کے اظہار پر افسوس ہوا اور اس نے گندھیہ کو اس کی مکمل تخلیق کو تباہ کرنے سے روک دیا لیکن اُس وقت تک تین چوتھائی سے زیادہ کہانیاں جل چکی تھیں۔

سوم دیو کے سنسکرت میں ان کہانیوں کا ترجمہ کرنے سے پہلے ہی ان میں سے بہت سی کہانیاں ہندوستان کے ساحلوں کے پار دُور دراز ممالک تک سفر کر چکی تھیں۔ ان میں کچھ کہانیاں الف لیلہ و لیلہ میں ایک جانا پہچانا لباس پہنے نظر آتی ہیں۔

یہ بات صاف ہے کہ کتھا سرت ساگر کسی ایک آدمی کے ذہن کی پیداوار نہیں ہے۔ ان کے نامعلوم مُصنّفین ہندوستان کے ہر حصّے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بات ضرور ہے کہ وہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن انسانی فطرت میں گہرا دخل رکھتے تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کہانی کار جھوٹ و فریب کو بلا کسی تردّد کے بیان کرتا ہے اور مظلوم لوگوں کی تکلیفات کو بیان کرتے وقت دردمند بن جاتا ہے اور زندگی کے بارے میں بحث کرتے وقت نہایت حقیقت پسند ہو جاتا ہے۔

کہانی کہتے وقت، کہانی کار کو اپنے عروج پر، ظلم کے زوال اور نیک نیتی کی سربلندی بیان کرتے وقت دیکھا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے کی ایک کہانی مندرجہ ذیل ہے:

ایک مرتبہ کا ذکر ہے ایک مندر میں ایک جھوٹا یوگی رہتا تھا، جس نے یہ مُشتہر کر رکھا تھا کہ اُس نے خاموش رہنے کا عہد کر رکھا تھا۔ جیسا کہ رواج تھا لوگ اس کا آشیرواد لینے آیا کرتے تھے اور اُس کے لیے قیمتی تحائف، کھانا، کپڑے اور رُوپیہ پیسہ لاتے تھے۔ یوگی ان تحائف میں سے بہترین حصّہ تو اپنے لیے رکھ لیتا تھا اور باقی اُن بے وقوفوں میں تقسیم کر دیتا تھا جو اس کے چاروں طرف گھیرا بنائے بیٹھے رہتے تھے اور خود کو یوگی کے چیلے کہا کرتے تھے۔

ایک دِن ایک امیر سوداگر اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ اس کے پاس آیا۔ اُس کی بیٹی بہت خوب صورت تھی۔ جھوٹا یوگی اس لڑکی کو اپنی بیوی بنانے کا خواہش مند ہوگیا۔ وہ اس کا ہاتھ مانگ سکتا تھا، کیوں کہ اُس زمانے میں اُمرا کے لیے اپنی بیٹیوں کی شادی یوگیوں کے ساتھ کر دینا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی لیکن چونکہ یہ یوگی جھوٹا تھا اس نے ایک جھوٹا پلاٹ بنایا۔ اُس نے سوداگر کو ایک کونے میں لے جاکر کہا "تم جانتے ہو کہ میں نے خاموش رہنے کا عہد کر رکھا ہے لیکن اب مجھے تمھارے فائدے کی وجہ سے بولنا پڑا ہے۔ بات یہ ہے کہ تمھاری بیٹی کا تمھارے ساتھ رہنا مناسب نہیں ہے۔ اگر تم اس کو اپنے ساتھ رکھوگے تو تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔"

"تو اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟" سوداگر نے بڑی فکرمندی سے پوچھا۔

"یہ تو بہت آسان ہے" یوگی نے کہا "آج رات اپنی لڑکی کو ایک ٹوکری میں رکھ کر دریا میں بہا دو اور اس ٹوکری میں دیا بھی رکھ دینا۔"

"بہت اچھا" سوداگر نے جواب دیا۔

رات کے پہلے حصّے میں ایک راجکمار اپنی شکاری مہم سے واپس ہوتے ہوئے

دریا پار کر رہا تھا، اچانک دیے کی روشنی سے معمور ایک ٹوکری نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ وہ اُسے اپنی کشتی میں لے آیا۔ کھولنے پر اس کے اندر ایک خوبصورت لڑکی کو روتے دیکھ کر اسے بہت حیرت ہوئی۔

راجکمار نے اس دِن جنگل میں ایک خوفناک بندر پکڑا تھا۔ اُس نے اس بندر کو ٹوکری میں بند کر کے اُسے دوبارہ دریا میں بہا دیا۔

مندر کے قریب دریا کے کنارے یوگی بڑی بے چینی سے دیا جلتی ٹوکری کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے اسے دیکھا، اس نے اپنے چیلوں کو اس تیرتی ہوئی ٹوکری کو اپنے پاس لانے کا حکم دیا۔ ٹوکری اس کے کمرے میں پہنچائی گئی۔ اپنے تمام چیلوں کو باہر بھیج کر اس نے بڑی خوشی کے عالم میں ٹوکری کو کھولا۔ اس سے پہلے کہ اُسے معلوم ہو کہ کیا ہوا، اس کی ناک کا ایک بڑا حصّہ الگ ہوگیا، اس کے بعد کان کا نمبر آیا۔

یوگی پاگلوں کی طرح چیختا ہوا وہاں سے بھاگا۔ اس کے بعد اُس کو دوبارہ وہاں کبھی نہیں دیکھا گیا۔ اسے اس امر پر بہت حیرانی تھی کہ ایک خوبصورت لڑکی نے اپنے آپ کو ایک خطرناک بندر میں کیسے تبدیل کر لیا تھا!

اب یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ راجکمار نے اس لڑکی سے شادی کرلی اور دونوں نے ایک خوش و خرم زندگی گزاری۔

پنچ تنتر کی کہانیاں

پُرانے زمانے میں ایک راجہ کے تین لڑکے تھے۔ راجکمار اپنی پڑھائی کی طرف کوئی توجہ نہ دے کر اپنا وقت ضائع کرتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے راجہ بہت افسردہ رہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر راجکمار اس طرح اپنا وقت ضائع کرتے رہے تو کوئی بھی اُس کا جانشین بننے لائق نہیں ہوگا۔

اس نے بہت سے اُستادوں کو اس کام پر معمور کیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ راجکمار ہر ممکن طریقے سے اس بلائے ناگہانی سے بچنے کی کوشش کرنے لگے۔ وقت گزرتا گیا اور راجہ دِن بدن نااُمید ہوتا گیا۔

آخرکار راجہ نے مُلک کے تمام عالموں کی ایک کانفرنس بُلائی اور اُن کو اپنی مشکل بتائی "کیا آپ میں سے کوئی میری مدد کرسکتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ آخرکار ان میں سے ایک نے اُٹھ کر راجہ سے کہا "مہاراج! اگر آپ اپنے بچوں کی تعلیم میرے سُپرد کردیں تو میں اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لاؤں گا۔"

یہ عالم وشنو شرما تھا جو اس کی حکومت میں اپنی عقلمندی کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ راجہ کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ ایک ایسے نامور عالم نے اُس کے بچوں کو پڑھانے کی پیش کش کی تھی۔

راجہ کا بہت بڑا محل تھا۔ لمبے اُونچے درخت اس کی طویل وعریض چھت کے ہر حصّے کو گھیرے ہوئے سایہ دیتے تھے۔ شرما راجکماروں کو چھت کے ایک سنسان گوشے میں لے کر بیٹھ گیا۔

راجکمار اس آغاز سے زیادہ خوش نہیں ہوئے کیوں کہ وہ پڑھائی سے نفرت کرتے تھے لیکن جلد ہی وہ خواہش نہ ہوتے ہوئے بھی تیّار ہو گئے۔ وشنوشرما کے پڑھانے کا طریقہ بہت انوکھا تھا۔ اس نے کہنا شروع کیا "دریائے گوداوری کے کنارے ایک بہت بڑا درخت تھا جہاں دُور دُور سے پرندے بسیرا کرنے آتے تھے۔۔"

اور اُس نے کہانیاں سُنانی شروع کر دیں —— کہانیاں جو بظاہر پرندوں اور جانوروں کے بارے میں تھیں لیکن اصل میں وہ خود ہمارے بارے میں تھیں —— وہ ہمارے بہت سے مسائل کا حل تھیں۔ سچا دوست کون ہے؟ دوستی کیسے قایم رکھی جا سکتی ہے؟ ان حرکتوں سے کیسے بچیں جو کسی تباہی کے غار میں ڈھکیل دیتی ہیں۔ یہ کہانیاں اچھا مگر ہوشیار ہونا، شریف مگر عقلمند بننا سِکھاتی ہیں۔

وشنوشرما کی ان کہانیوں کو سُن کر لڑکے ہوشیار اور عقلمند بن گئے۔

پنچ تنتر کی کہانیوں کو وقت بوقت بار بار دُہرایا گیا ہے اور تم بھی ان میں سے بہت سی کہانیوں کو پڑھ چکے ہوگے لیکن ان میں سے کچھ کہانیاں اپنی قسم کے نادر ہیروں کی طرح بہت کم رائج ہیں۔ مثال کے طور پر 'باتونی غار' ایک دل چسپ کہانی ہونے کے

جاتک کہانیاں

آج بُدھ مت دُنیا کے بڑے بڑے مذہبوں میں سے ایک ہے۔ اگرچہ ہندوستان میں اس کے ماننے والے زیادہ نہیں ہیں لیکن ہر ہندوستانی مہاتما بُدھ کی زندگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتا ہے۔ وہ پیدائشی راجکمار تھے جو بعد میں گوتم بدھ کے نام سے مشہور ہوئے۔ مصیبتوں کا حل "تلاش کرنے کے لیے انھوں نے اپنے بیوی بچوں کو چھوڑا، اپنا تخت و تاج چھوڑا اور جنگل میں نکل کھڑے ہوئے لیکن روایت یہ کہتی ہے: گوتم کی شکل میں پیدا ہونے سے پہلے وہ سینکڑوں مرتبہ مختلف شکلوں میں انسانی اور حیوانی قالب میں پیدا ہو چکے تھے۔ ہر جنم میں انھوں نے کچھ قیمتی تجربات جمع کیے جنھیں آخر میں مہاتما بُدھ کی شکل میں انھوں نے اپنے چیلوں کو بتایا۔

یہ کہانیاں جاتک کہانیاں کہلاتی ہیں۔ یہ جاننا مشکل امر ہے کہ ان میں سے کتنی کہانیاں حقیقت میں مہاتما بُدھ نے سُنائی تھیں اور کتنی بعد میں ان کے پُرجوش شاگردوں نے بڑھادیں۔

۵۴۷ جاتک کہانیاں ہیں۔ 'جاتک' لفظ کے عام معنی جنم یعنی پیدائش کے ہیں۔ ہر جاتک میں ایک یا ایک سے زیادہ کہانیاں ہیں۔

ہر کہانی میں ایک سبق ہے۔ یہ کہانیاں ہمیں زندگی کو بہتر طریقے سے سمجھنے اور بہتر طریقے سے گزارنے میں مدد دیتی ہیں۔ یہ کہانیاں لاحاصل خود نمائی، لالچ

علاوہ ہمیں بتاتی ہے کہ ہر ایک کو ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے:

ایک مرتبہ کا ذکر ہے ایک گیدڑ ایک جنگل میں رہتا تھا۔ اُس نے اپنی رہائش کے لیے ایک سنسان غار منتخب کر رکھا تھا۔ ایک دِن جب وہ غار میں نہیں تھا، ایک بُھوکا اور تھکا ہوا شیر اس غار کے پاس آیا۔ شیر نے اندر داخل ہو کر اطراف میں سُونگھا۔ 'یہ بات صاف ہے یہاں ایک گیدڑ رہتا ہے'۔ شیر نے اپنے آپ سوچا 'پھر میں شکار کی تلاش میں کیوں مارا مارا پھروں؟ اب میں یہاں پیر پھیلا کر لیٹوں گا اور جب گیدڑ واپس آئے گا تو میں ایک بہترین دعوت کا مزہ لوں گا'۔

سرِشام گیدڑ گھر واپس ہوا لیکن جیسے ہی وہ غار میں داخل ہونے لگا اسے شیر کے پیروں کے کُھلے کُھلے نشانات نظر آگئے۔ اُس کا دِل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ پھر اُس نے اپنی تمام ہمت کو جمع کر کے آواز لگائی "اے میرے دوست غار! آج تمھیں کیا ہوگیا ہے۔ جب میں واپس آتا ہوں تو تم مجھے ان الفاظ سے خوش آمدید کہتے ہو 'کیسے ہو دوست؟' لیکن آج تم خاموش ہو۔ کیا میں یہ یقین کر لوں کہ تم مجھے اندر بُلانا نہیں چاہتے؟"

شیر نے سوچا: اس میں کوئی شک نہیں کہ غار میرے اندر داخل ہونے کی وجہ سے ڈر گیا ہے۔ اس لیے اس نے گیدڑ کو خوش آمدید نہیں کہا ہے۔

اس لیے اُس نے اپنی بھیانک آواز میں کہا "خوش آمدید، اے دوست!"

اپنی جان بچا کر بھاگتے ہوئے گیدڑ نے چِلّاتے ہوئے کہا "پیارے دوست! میں نے تمھیں چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

بعد میں گیدڑ نے آہستہ سے ہنستے ہوئے خود سے کہا "باتونی غار، اُونھ! کبھی ایسی بات سُنی بھی گئی ہے۔ شکر ہے کہ میری جان بچی۔"

اور گناہوں اور ایسی تمام مخصوص چیزوں سے روکتی ہیں جو انسانی مشکلات کا سبب بنتی ہیں۔

ایک خود پسند سادھو کی مثال پیش ہے۔ اس کے گیروا لباس اور لمبی داڑھی کی وجہ سے لوگ اس کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اس چیز نے اسے بڑا مغرور بنا دیا تھا اور وہ ایسی تعظیم و تکریم کو اپنا حق سمجھنے لگا تھا۔

ایک دِن اُس کا گزر ایک ایسے گاؤں سے ہوا جہاں ایک بڑا مجمع دو مینڈھوں کی لڑائی دیکھنے کے لیے جمع ہو گیا تھا۔ سادھو نے ایک بڑے پتھر پر بیٹھ کر گلا صاف کیا، پھر کھانس کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

بدقسمتی سے اس سے پہلے کہ مجمع اس کی طرف متوجہ ہو، ایک مینڈھے نے اسے دیکھ لیا۔ جیسا کہ ہر جانور اپنی خصوصیات کی وجہ سے مشہور ہے اس نے اسے پسند نہیں کیا اور حملہ کرنے دوڑا۔ مینڈھے کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ حملہ کرنے سے پہلے اپنا سر نیچے جھکا لیتا ہے۔ اس لیے جب مینڈھے نے اپنا سر جھکایا تو سادھو نے یہ سوچا کہ سر اس کی تعظیم کے لیے جھکایا گیا تھا، وہ بہت خوش ہوا۔ اتنے میں لوگوں نے چلاّ کر اسے بھاگ جانے کو کہا لیکن سادھو نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ اس کی بجائے اُس نے مینڈھے کو آشیرباد دینے کے لیے ہاتھ اُٹھایا۔ اگلے لمحے مینڈھے نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے زمین پر لمبا لمبا لِٹا دیا۔

لالچ کا انجام بُرا ہوتا ہے، جیسا کہ ہمیں مندرجہ ذیل کہانی سے پتہ چلتا ہے :

ایک مرتبہ ایک آوارہ نوجوان کی مُلاقات ایک جاہل گنوار سے ہوئی جو ایک عمل جانتا تھا۔ ہر روز وہ آدمی جنگل جاتا، ایک آم کے درخت کے نیچے کھڑا ہوتا اور ایک منتر پڑھتا۔ اگلے لمحے ہی بہت سے آم پک جاتے اور درخت سے گرنے لگتے۔ وہ آدمی انھیں جمع کرتا اور ان میں سے کچھ اپنے لیے رکھ کر باقی اپنے غریب پڑوسیوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔

اگرچہ وہ گنوار ایک نچلے طبقے سے تعلق رکھتا تھا پھر بھی نوجوان اُس کے قدموں میں
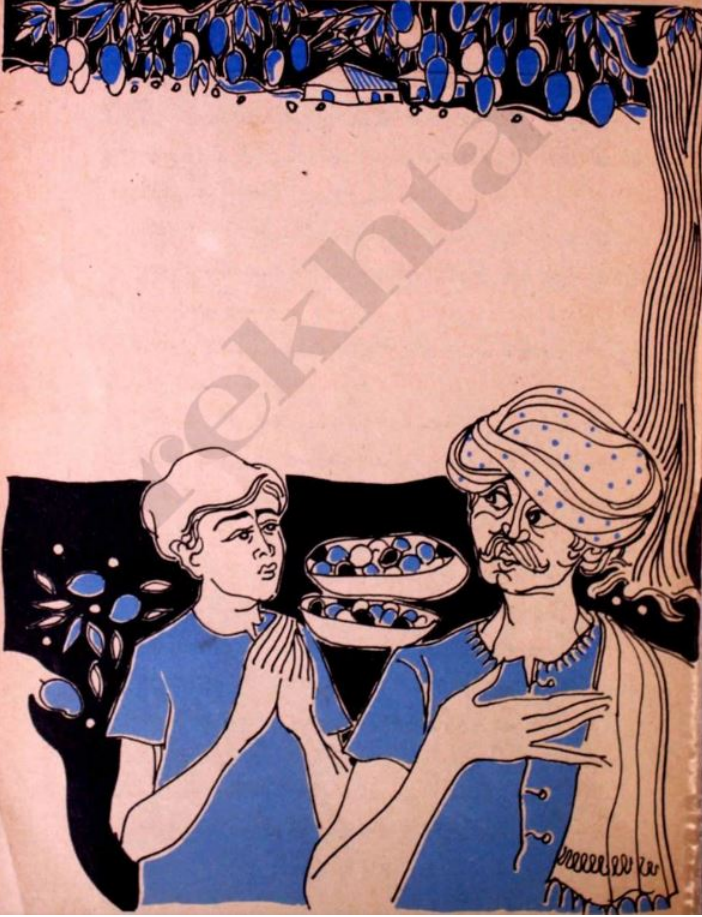
گر گیا اور اس سے منتر سکھانے کی درخواست کرنے لگا۔ گنوار اصرار سے مجبور ہوکر رضامند ہوگیا لیکن اُس نے اسے یہ تنبیہ بھی کردی کہ "تم کبھی اس منتر کا استعمال اپنی بھوک کو تسکین دینے کے لیے نہیں کروگے۔ اس کے علاوہ یہ منتر اس وقت تک کام کرے گا جب تک تم جھوٹ نہیں بولوگے۔"

جیسے ہی نوجوان اپنے گاؤں واپس آیا، اس نے اس منتر کو دن میں کئی کئی مرتبہ دوہراکر بہت سے لذیذ آم جمع کرلیے اور انھیں بیچ بیچ کر وہ چند ہی مہینوں میں بہت مالدار ہوگیا۔

راجہ کو بھی اس عمل کے بارے میں معلوم ہوا۔ اُس نے نوجوان کو بُلایا اور پوچھا "تم نے کہاں سے یہ منتر سیکھا؟"

مغرور نوجوان کے غرور نے یہ قبول کرنے سے انکار کردیا کہ اسے اس نے ایک نچلے طبقے کے آدمی سے سیکھا تھا۔ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا "مہاراج! میں نے اسے بڑی کوششوں کے بعد بہت بڑے بڑے عالموں سے یہاں سے بہت دُور ایک مدرسے میں سیکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے، خیر اب ہمارے سامنے عمل کرو۔" راجہ نے حکم دیا۔

راجہ اپنے خاندان، وزیروں اور افسروں کے ساتھ نوجوان کے پیچھے پیچھے شاہی باغ میں داخل ہوا لیکن کچھ بھی نہیں ہوا، کیوں کہ وہ جھوٹ بول چکا تھا۔

نوجوان نے بہت شرمندہ ہوکر راجہ کے سامنے سچ کا اقرار کرلیا۔ راجہ نے کہا "تم نے اپنے اُستاد کا نہایت ناشکراپن کیا ہے۔ جاؤ اور اُس سے معافی مانگو شاید منتر دوبارہ کام کرنے لگے۔"

نوجوان نے ایسا ہی کیا لیکن منتر نے دوبارہ اثر نہیں دکھایا کیوں کہ اس نے اپنے لالچ کی خاطر اس کا غلط استعمال کیا تھا۔

جاتک کہانیاں بالکل ان کہانیوں کی طرح سبق آموز ہیں۔

ارتھ شاستر

ایک مرتبہ ایک اونچے خاندان کا ایک نوجوان جسے مُلک کے راجہ نے بہت ذلیل کیا تھا، ایک سنسان سڑک پر اس سے اپنا بدلہ لینے کا پلان بناتا ہوا جا رہا تھا کہ اس نے ایک عجیب و غریب نظارہ دیکھا۔ ایک ناراض بوڑھا آدمی کچھ کانٹے دار جھاڑیوں کی جڑوں میں رس ٹپکا رہا تھا۔

"محترم آپ کیا کر رہے ہیں؟" نوجوان آدمی نے دریافت کیا۔

"ان جھاڑیوں کا ایک کانٹا میرے پیر میں چُبھ گیا ہے۔ میں ان تمام پودوں کو ختم کردینا چاہتا ہوں، اس لیے میں ان کی جڑوں میں یہ میٹھا رس ٹپکا رہا ہوں۔ اس طرح سینکڑوں چیونٹیاں یہاں جمع ہوجائیں گی۔ وہ ان کی جڑیں کھاجائیں گی اور یہ پودے مرجائیں گے۔"

ضعیف شخص کی اس ذہانت اور ارادے نے نوجوان کو متعجب کردیا۔ اس نے سوچا بوڑھا آدمی اسے اپنا بدلہ لینے کے سلسلے میں بہترین مشورہ دے سکتا تھا۔

نوجوان آدمی جس کا نام چندر گُپت تھا، اس نے بوڑھے آدمی سے جس کا نام چانکیہ تھا، اس امر کی درخواست کی۔ بوڑھا راضی ہوگیا کیوں کہ وہ خود راجہ کا ایک بہت بڑا مخالف تھا۔

چانکیہ کے مشوروں کی روشنی میں چندر گُپت جلد ہی مگدھ کے راجہ نند کو معزول کرنے میں کامیاب ہوکر خود راجہ بن گیا اور اُس نے موریہ سلطنت کی بُنیاد ڈالی۔

چندر گپت اور چانکیہ کی کہانی ہو سکتا ہے ٹھیک نہ ہو لیکن اس سے یہ اندازہ ضرور کیا جا سکتا ہے کہ چانکیہ لوگوں میں کس قدر مقبول تھا۔ لوگوں کے تصوّر میں وہ ایک ہوشیار اور مغرور شخص تھا جو یہ جانتا تھا کہ اپنے مقصد میں کس طرح کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

چانکیہ کو کوٹلیہ بھی کہا جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس لفظ کے معنی 'سیاست' کے ہیں لیکن امکان یہ ہے کہ یہ لفظ 'کوٹلیہ' نہ ہو کر 'کوٹلیہ' تھا۔ کوٹلیہ ایک قدیم رشی کا نام ہے جس سے چانکیہ کے خاندان کے افراد اپنا سلسلۂ نسب جوڑا کرتے تھے۔

چانکیہ چالاک اور مغرور تھا۔ یہ نتیجہ اس کی لکھی ہوئی کتاب سے اخذ کیا گیا ہے۔ کتاب کا نام ارتھ شاستر ہے اور جو ان کتابوں سے قطعی مختلف ہے جن پر ہم آج بھی بحث کرتے ہیں۔ یہ کتاب بتاتی ہے کہ قدیم ہندوستانی علوم صرف رُوحانیت، فلسفہ، کہانی اور شعریات پر ہی مشتمل نہیں تھے بلکہ یہ زندگی کے ہر رُخ پر بحث کرتے تھے۔ پورانوں کے وقت کی لکھی ہوئی کتاب ارتھ شاستر سیاست، سماجیات، قانون اور معاشیات کی کتاب ہے۔

چانکیہ نے ان تمام اصولوں اور قواعدوں کا جو اس سے پہلے عالموں نے ان تمام موضوعات پر لکھی تھیں، گہرا مطالعہ کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شہزادے اور حکّام اُنھیں پڑھنے کی تکلیف نہیں اُٹھائیں گے اور نہ ہی ان سے فائدہ اُٹھائیں گے، اس لیے اس نے اپنی کتاب میں ان تمام چیزوں کو جو اس سے پہلے عالموں نے لکھی تھیں، خلاصے کے طور پر پیش کر کے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

کچھ تنقید نگار چانکیہ کو ظالم اور شیطان کے خطابات سے نوازتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دُشمنوں کو مکر و فریب سے شکست دینے میں ہچکچاتا نہیں تھا۔ اُس نے اپنی کتاب راجکماروں، سیاست دانوں اور حکّام کے لیے لکھی تھی۔ اس زمانے میں راجا اور حکّام مکر و فریب کو کھُلے طور پر ایک دوسرے کے خلاف استعمال

کرتے تھے۔ چانکیہ نے اپنی کتاب میں صرف یہ بات واضح کی ہے کہ کن حالات میں ان کا استعمال کیا جائے اور کن حالات میں نہیں۔

چانکیہ نے حکومت کرنے کے ان بہت سے پُرانے اصولوں کو رَد کر دیا تھا جو مناسب نہ تھے۔ مثال کے طور پر اس زمانے میں ایک شہزادے نے اپنے باپ کو راجہ بننے کے لیے قتل کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔ ایسی کوششوں کو روکنے کے لیے پُرانے راجاؤں کے مشیروں نے بہت سے مشورے دیے تھے۔ کچھ لوگوں

اس سلسلے کی دوسری کتابیں

کتاب	حصہ	مصنف	مترجم
بالو	(حصہ اول)	مصنف: الیف، سی، فریٹاس	مترجم: صالحہ عابد حسین
بالو	(حصہ دوم)	〃 〃	〃 〃
کشمیر		〃 مالا سنگھ	〃 خدیجہ عظیم
پرندوں کی دنیا		〃 جمال آرا	〃 محمد شفیع الدین نیر
ہمالیہ کی چوٹیوں پر		〃 برگیڈیر گیان سنگھ	〃 محمد ذاکر
ہماری ندیوں کی کہانی	(حصہ اول)	〃 لیلا مجمدار	〃 رضیہ سجاد ظہیر
〃	(حصہ دوم)	〃 ال، دی، اپا	〃 سید احسان
جنت کی سیر اور دوسری کہانیاں		〃 لیلاوتی بھاگوت	〃 رضیہ سجاد ظہیر
رسیلی کہانیاں		〃 منوج داس	〃 صغرا مہدی
آزادی کی کہانی	(حصہ اول)	〃 دشنو پربھاکر	〃 انور کمال حسینی
〃	(حصہ دوم)	〃 ستنگل پرکاش	〃 انور کمال حسینی
ہماری ریلیں		〃 جگ جیت سنگھ	〃 عرش ملسیانی
ہندوستان میں غیر ملکی سیاح		〃 کے۔ سی۔ کھنہ	تصاویر: کرشن کھنہ
آؤ ناٹک کھیلیں		〃 اوما آنند	مترجم: رفیعہ منظور الامین
خالہ بی کا خاندان		〃 منوہر داس چترویدی	〃 محمد شفیع الدین نیر
بہت دن ہوئے	(حصہ اول)	〃 ایم چوکسی و پی ایم جوشی	〃 رضیہ سجاد ظہیر
〃	(حصہ دوم)	〃 〃	〃 پریتم لال
بہادروں کی کہانیاں		〃 راجندر اوستھی	〃 انور کمال حسینی
روہنت و نندیہ		〃 کرشن چیتنیہ	〃 انور کمال حسینی
سدا بہار کہانیاں		〃 شانتا رنگاچاری	〃 انور کمال حسینی
بڑا پانی		〃 لیلا مجمدار	〃 صالحہ عابد حسین
ہاکی کا کھیل		〃 سردیندو سانیال	〃 پریم لال
ایجادیں جنھوں نے دنیا بدل ڈالی	(حصہ اول)	〃 میر نجابت علی	〃 سید احسان
〃	(حصہ دوم)	〃	〃
مورا		〃 ملک راج آنند	〃 انور کمال حسینی
ڈاک ٹکٹوں کی داستان		〃 ایس پی چیٹرجی	〃 سید احسان
ہندوستان کی عظیم کتابیں		〃 منوج داس	〃 پریتم لال
پھول اور شہد کی مکھی		〃 اشوک داور	〃 انور کمال حسینی
سب کا ساتھی سب کا دوست		〃 اوما شنکر جوشی	〃
سونا کی سیر		〃 تارا تیواڑی	〃

ہر کتاب کی قیمت ۱٫۵۰

یہ کتابیں ہندوستان کی سب زبانوں میں ملتی ہیں۔

ڈائرکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، نئی دلی ۱۱۰۰۱۶ نے اندر پرستھ پریس (سی بی ٹی) نہرو ہاؤس بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دلی ۱۱۰۰۰۲

کا یہ خیال تھا کہ اس کا بہترین حل یہ ہے کہ راجکماروں کو راجدھانی سے بہت دُور کسی قلعے میں قید کر دیا جائے۔ کچھ دوسروں نے اس بات کا مشورہ دیا کہ راجکماروں پر راجہ ہمیشہ غصّہ کرتا رہے۔ چانکیہ نے ان سب کا حوالہ دیا اور کہا کہ یہ تمام طریقے غیر مناسب تھے۔ بہترین حل راجکماروں کو اچھے اُستادوں کی نگرانی میں رکھ کر پرورش کرنا تھا۔

اس طرح ارتھ شاستر عملی مشوروں کی ایک عام فہم کتاب ہے۔
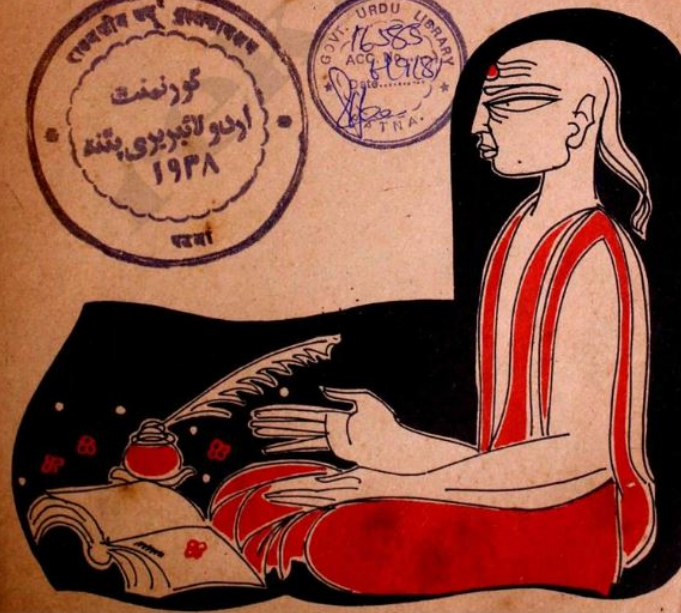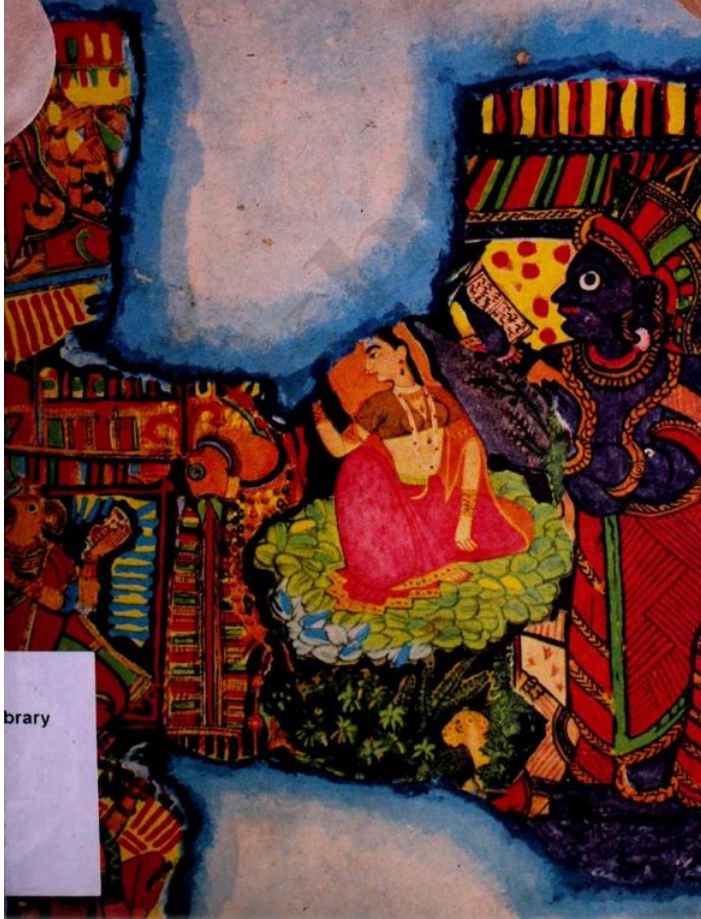
اس سلسلے کی دوسری کتابیں

کتاب	مصنف	مترجم
بابو (حصہ اول)	مصنف: ایف، سی، فریٹاس	مترجم: صالحہ عابد حسین
بابو (حصہ دوم)	〃	〃
کشمیر	〃 مالا سنگھ	〃 خدیجہ عظیم
پرندوں کی دنیا	〃 جمال آرا	〃 محمد شفیع الدین نیر
ہمالیہ کی چوٹیوں پر	〃 برگیڈیر گیان سنگھ	〃 محمد ذاکر
ہماری ندیوں کی کہانی (حصہ اول)	〃 لیلا مجمدار	〃 رضیہ سجاد ظہیر
〃 (حصہ دوم)	〃 ال، وی، اپا	〃 سید احسان
جنت کی سیر اور دوسری کہانیاں	〃 لیلاوتی بھاگوت	〃 رضیہ سجاد ظہیر
رسیلی کہانیاں	〃 منوج داس	〃 صغرا مہدی
آزادی کی کہانی (حصہ اول)	〃 وشنو پربھاکر	〃 انور کمال حسینی
〃 (حصہ دوم)	〃 سنگل پرکاش	〃 انور کمال حسینی
ہماری ریلیں	〃 جگ جیت سنگھ	〃 عرش ملسیانی
ہندوستان میں غیر ملکی سیاح	〃 کے۔ سی۔ کھنہ	تصاویر: کرشن کھنہ
آؤ ناٹک کھیلیں	〃 اوما آنند	مترجم: رفیعہ منظور الامین
خالہ بی کا خاندان	〃 منوہر داس چترویدی	〃 محمد شفیع الدین نیر
بہت دن ہوئے (حصہ اول)	〃 ایم چوکسی و پی ایم جوشی	〃 رضیہ سجاد ظہیر
〃 (حصہ دوم)	〃	〃 پریتم لال
بہادروں کی کہانیاں	〃 راجندر اوستھی	〃 انور کمال حسینی
رونہت و نندیہ	〃 کرشن چیتنیہ	〃 انور کمال حسینی
سدا بہار کہانیاں	〃 شانتا رنگا چاری	〃 انور کمال حسینی
بڑا پانی	〃 لیلا مجمدار	〃 صالحہ عابد حسین
ہاکی کا کھیل	〃 سرو بندو سانیال	〃 پریتم لال
ایجادیں جنھوں نے دنیا بدل ڈالی (حصہ اول)	〃 میر نجابت علی	〃 سید احسان
〃 (حصہ دوم)	〃	〃
مورا	〃 ملک راج آنند	〃 انور کمال حسینی
ڈاک ٹکٹوں کی داستان	〃 ایس پی چیٹرجی	〃 سید احسان
ہندوستان کی عظیم کتابیں	〃 منوج داس	〃 پریتم لال
پھول اور شہد کی مکھی	〃 اشوک داور	〃 انور کمال حسینی
سب کا ساتھی سب کا دوست	〃 اوما شنکر جوشی	〃
سونا کی سیر	〃 تارا تیواڑی	〃

ہر کتاب کی قیمت 1.50

یہ کتابیں ہندوستان کی سب زبانوں میں ملتی ہیں۔

ڈائرکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، نئی دلی ۱۱۰۰۱۶ نے اندر پرستھ پریس (سی بی ٹی) نہرو ہاؤس بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دلی ۱۱۰۰۰۲